مُحبت ساری زندگی کے لئے

کوالٹی بہت اچھی نہیں، ریکویسٹ پر اپلوڈ کیا گیا ہے

ایم سُلطانہ فخر

مکمل ناول

ایم سلطانہ فخر

محبت ساری زندگی کے لئے

"ارے تم دھونی!"

ایک تو اچانک ہی بائیں پہلو کے قریب ہی کار کے بریک زور سے چرچرائے اس پر اس کی آواز جسے ہزار نفرت اور ناپسندیدگی کے باوجود وہ اچھی طرح پہچان سکتی تھی۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

اس کی طرف دیکھنا تو کجا مُڑا تک نہ گیا۔ خوف کی ایک سرد سی لہر پورے بدن میں سرایت کر گئی۔

وہ دم بخود سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

"یہ اس وقت شام کے اس جھٹپٹے میں کہاں کے ارادے ہیں۔ کہاں جا رہی ہو اتنے چوری چھپے؟" اس نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرکے



بے خبر انداز میں پوچھا۔ جواب میں وہ الجھن اور ناگواری پر بمشکل قابو پا کر دھیمی آواز میں بولی۔

"وہ... بس وہ میں سامنے چچا کے گھر جا رہی تھی۔"

"مگر چچا کے گھر جانے کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی۔ وہ بھی اس وقت؟ میں تمہیں چچا کے یہاں ڈراپ کرنے والا تو نہیں تھا؟" اس کے لہجے میں بھی جھلاہٹ سی شامل تھی۔

"نہیں... ڈراپ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ چچا کا گھر تو پاس ہی ہے اور میں پیدل واک کرتے ہوئے ہی ان کے یہاں جا رہی ہوں۔" وہ خوف اور ناگواری کی ملی جلی کیفیت میں گویا دل پر جبر کر کے اس سے بات کر رہی تھی کہ ایک تو اچانک اس کا وارد ہو جانا اس پر سدید کے سوالات۔ اور جب سے منگنی ہوئی تھی سدید کے ساتھ ساتھ تم کہہ کر مخاطب زیادہ بھی دھونس جما کر اسے بری طرح کھل رہا تھا اس کی سسرال والوں نے اس کے اچھے خاصے نام دونا کو بگاڑ کر دھونی کہنا کیا شروع کیا کہ ایک دنیا بھی اسے اسی نام سے پکارنے لگی۔

"چلو خیر اگر واک کرکے بھی جانا ہو تو اس وقت تو اتفاق سے میں کار لے کر آ گیا ہوں۔ آؤ بیٹھو میں تمہیں چچا کے یہاں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اور وہ جو کسی ایسی پیشکش کی متوقع تھی اندر ہی اندر سہم کر بولی۔

"اوہ نو تھینکس۔ آپ بالکل تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" فقرہ پورا کرنے سے پہلے ہی سدید کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ مگر وہ ایک عجیب و غریب فطرت کا حامل تھا۔ کم از کم دونا کا امپریشن اس کے بارے میں کچھ ایسا ہی تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور معاملہ بھی تھا۔ اس لیے وہ کسی قیمت پر بھی اس کی ڈراپ کرنے کی پیشکش کو قبول نہیں کر سکتی تھی۔

اس کے دن ڈھل گیا تھا۔ مغربی افق پر پھیلے شنگرفی رنگوں نے پوری کائنات کو سیاہی مائل سرخ لبادے میں لپیٹ لیا تھا۔ کچھ چچا کے یہاں جلد از جلد پہنچنے کی کشمکش اور کچھ سدید کے اچانک نزول کی وجہ سے اس نے اپنی رفتار مزید تیز کر دی تھی کہ چچا کا گھر بس تھوڑے سے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اور ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ کار کو ریورس گیئر میں ڈال کر سدید آندھی اور طوفان کی طرح اس کے سر پر آ پہنچا۔ اور اس کے بازو کو اپنی سخت اور مضبوط گرفت میں لے کر جلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اور اس کی اس مجنونانہ حرکت پر دل ہی دل میں لرز اٹھنے کے باوجود وہ تیز لہجے میں بولی۔

"مگر میں نے کہہ تو دیا تھا کہ میں واک کر کے چلی جاؤں گی تو پھر؟" مگر سدید نے اس کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا اور غرا کر بولا۔

"سیدھی طرح بیٹھتی ہو یا پھر میں زبردستی تمہیں بٹھاؤں؟"

اس نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا۔ وہ جھونک لگا کر کار کے دروازے سے جا ٹکرائی۔ تب طوعاً و کرہاً اسے اس کی کار میں بیٹھنا ہی پڑا۔ سدید نے خاموشی سے کار آگے بڑھا لی۔ مگر کار کو اس نے چچا کے گھر کی سمت نہیں موڑا تھا۔ البتہ وہ بہت دھیمی رفتار میں کار چلا رہا تھا۔ سینے کے اندر اب بھی دونا کا دل زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ آگے جا کر وہ کار کا رخ چچا کے گھر کی طرف موڑ دے گا کہ اس نے زبردستی اسے اپنی کار میں بیٹھنے پر مجبور کیا تھا۔ خائف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اس سے سخت بدظن بھی ہو گئی تھی۔ اور جب سادھے بیٹھی تھی کہ کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک زوردار ہنکارا بھر کر کہا۔

"میں تمہاری باتوں سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم مجھ پر بالکل اعتماد نہیں کرتیں۔"

اس کا دل چاہا صاف صاف کہہ دے کہ ہاں مجھے تم پر ذرا بھی بھروسا نہیں اور میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتی۔ مگر موقع کی نزاکت کے پیش نظر

اسے کہنا پڑا۔

"نہیں خیر۔ ایسی تو دور تک کوئی بات نہیں۔"

"اچھا تو پھر میرے ساتھ آتے ہوئے اتنا کترا کیوں رہی تھیں؟" اس نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں میں کترا تو نہیں رہی تھی۔ وہ اصل میں میں کسی سے فیور لینا پسند نہیں کرتی۔ اور پھر چچا کا گھر دور ہی کتنا ہے۔ ویسے بھی واک کی صحت کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔"

اس نے یوں کہا جیسے اس کے سوال کا یہ جواب اس نے پہلے سے تیار کر کے رکھا تھا۔

"سنو تم ان ڈیئر دھونی! تمہیں اتنا بتا دوں کہ میں غلط کہتا ہوں نہ سننا ہی پسند کرتا ہوں۔ تم فیور لینے کے معاملے میں محض بڑ مار رہی ہو ورنہ میں نے متعدد بار تمہیں عمر اور معید کے ساتھ وقت بے وقت ہر جگہ گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔

"نہیں خیر۔ میں وقت بے وقت تو ان دونوں کے ساتھ نہیں گھومتی۔ وہ تو کسی اور جگہ جانا ہو یا شاپنگ کرنی ہوتی ہے تو میں دونوں میں سے کسی ایک کو بلا لیتی ہوں۔ یوں بھی وہ دونوں میرے فرسٹ کزنز ہیں اور مجھ سے عمر میں ایک دو سال چھوٹے ہی ہیں۔" وہ نرمی سے بولی۔ جبکہ ہم اب بھی اس پر غالب تھا۔

"تو پھر فیور نہ لینے کی بات غلط ہی ہوئی نا۔ اصل میں تو تم میرا فیور لینا پسند نہیں کرتیں کیونکہ میں تمہاری نظروں میں نہایت گیا گزرا انسان ہوں۔" اس کے لہجے میں شکوہ نہیں کرختگی تھی۔

"نہیں نہیں ایسی بھی دور تک کوئی بات نہیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"اونہہ! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ویسے تو دور تک کوئی بات نہیں۔ میری پکی اور کھری باتوں کا بس تمہارے پاس یہی جواب ہے۔ کیونکہ تم منہ در منہ دل کی بات تو کہہ ہی نہیں سکتیں لیکن میں اپنے بارے میں تمہارے دلی تاثرات سے بخوبی واقف ہوں۔ تم نے نہ صرف میری ایڈورٹ

کر مجھے بہت بریارس کہہ کر بلکہ اپنی تمام کزنز کے سامنے میری خوبیاں بیان کرتے کرتے میں سمجھ گیا ہوں۔ آج ایم اے سیو کر کے آئے ہیں۔ میں یاد ہوں اور تم مجھ سے نفرت کرتی ہو کیونکہ یہ ایک سچ ہے۔

وہ بات کرتے کرتے ایکدم ہی جذباتی ہو گیا۔ اس کے لہجے کی کاٹ سے وہ سر تا پا لرز اٹھی مگر تھی بہت سمجھدار اور موقع شناس ندامت بھرے لہجے میں بولی۔

"اوہ نو۔ آپ نے میری ان باتوں کا بہت غلط مطلب لیا ہے۔ ورنہ وہ تو ایک وقتی بات تھی۔ میرا مطلب ہے میں نے وہ جو کچھ بھی کہا تھا۔ وقتی غصے کے تحت کہا تھا۔ جس پر میں آج بہت شرمندہ اور متاسف ہوں۔" وہ چند ثانیوں کو رکی پھر بولی۔

"ویسے اس روز آپ نے بھی تو حد کر دی تھی۔ میرے ذرا سے مذاق پر سب کے سامنے مجھ پر بری طرح برس پڑے تھے اور مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ ورنہ یہی بات یہ تھی کہ فرنو کراس پر ریمارکس لکھنا میری عادت سی بن گیا تھا۔ اور وہ محض مذاق تھا۔"

"ہاں اور دوسروں کو گالیاں بکنا اور برا بھلا کہنا گویا تمہاری ہابی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟" اس نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں... غلط ہے۔ میں نے وہ سب محض اپنی جھنپ مٹانے کو کہا تھا۔ آپ نے سب کے سامنے میری کتنی انسلٹ بھی تو کی تھی نا۔" اس نے مزید اپنی صفائی میں کہا۔

"اچھا تو گویا ایک ذرا سا تیا دکھا کر پھر تم نے اپنے دل کا غبار یوں نکالا تھا۔ جبکہ اپنی تصویر کی رنگت دیکھ کر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تصویر کی طرح تمہارا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیتا۔ ہاں کیا کہا تھا بھلا تم نے مجھے۔ اور کیا کبھی جو تم مجھے... نہیں۔ بتاؤ کیا میں تمہاری نظروں میں اس قدر گیا گزرا، بے حس اور بے حمیت ہوں کیا میرے چہرے پر تمہیں یہ اتنی بڑی ناک نظر

نہیں آتی۔ یہ تو مطلب یہ تھا جیسا میری اتنی
تیز ترین نے مجھے ... شخص سا ہوگیا۔
وہ بات کہتے ہوئے ... دیکھ کر وہ بھی
وہ اس کے قریب سے ہوتے ہوئے یوں دیکھ رہی تھی
جانے سے لرز اٹھی۔ کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کیا جواب
دے۔ اس کے قریب کے خوف سے وہ تو یہ
بھی بھول گئی تھی کہ اس نے اسے چچا کے یہاں
ڈراپ کرنے کی غرض سے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا
اور اسے فوری طور پر چچا کے یہاں ڈراپ ہونا
تھا۔

جبکہ وہ غصے میں اگر گاڑی کو کسی نامعلوم سمت
اڑائے لیے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خوف۔
گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت میں بولی۔

"نہیں نہیں۔ خدا کرے میں آپ کی تحقیر
کیوں کرنے لگی۔ وہ۔ وہ تو بس ایک وقتی سا
ابال تھا۔ جس پر میں سخت شرمندہ ہوں۔ نہیں
بلکہ معذرت خواہ ہوں۔ مگر مگر چچا کا گھر تو بہت
پیچھے رہ گیا۔ مجھے تو ان کے ہاں ڈراپ ہونا
تھا۔"

"اونہہ! پیچھے رہ گیا تو رہنے دو۔ چچا کے چچا۔
تمہیں روٹی پر ... کر تمہیں کھائیں گے۔ آج تو
زندگی میں مجھے تم سے باتیں کرنے کا گولڈن چانس
ملا ہے۔ میں اس موقع کو بھلا کیسے گنوا سکتا ہوں۔"
اف اس بات پر تو وہ جیسے پیروں تلے سے
زمین نکل گئی۔ اف نامعلوم اس کے کیا ارادے
ہیں۔ اور یہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے سہم کر دل میں
سوچا اور پھر لرزیدہ سی آواز میں بولی۔

"لیکن لیکن اس وقت میرا چچا کے یہاں
جانا بہت ضروری ہے۔ وہ اصل میں کینیڈا سے
شادمان بھائی کا فون آنا ہے۔ چچا کے یہاں
چونکہ فون نہیں ہے اس لیے انہوں نے امی
سے کہا تھا کسی کو بھیج کر چچا کو اپنے یہاں بلا لیں۔
کیونکہ ایک گھنٹے بعد وہ پھر فون کریں گے۔ گھر
میں اس وقت کوئی موجود نہ تھا اس لیے امی نے
مجھے بھیج دیا۔ ویسے آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

آپ جبکہ میں نے تو اپنی صفائی پیش کرنے کے
ساتھ ساتھ آپ سے معذرت بھی کرلی ہے۔
چلنے دیجیے اور کیونکہ وہ یہ بات کہہ گئی جبکہ ...
تو بری طرح بنی ہوئی تھی۔

جواب میں وہ خاموش ہی رہا۔ البتہ گاڑی کی
رفتار مزید تیز کردی۔ نامعلوم کس شوق میں تھا وہ
اور کیا ارادے تھے اس کے۔ وہ نیا پن محسوس کرنے
گزرنے لگے۔ کچھ دیر تک تو اس سے کچھ بولا ہی
نہ گیا۔ پھر وہ لجاجت بھرے لہجے میں بولی۔

"دیکھیں پلیز۔ چچا کو اطلاع کرنا بہت ضروری
ہے۔ شادمان بھائی کینیڈا سے پہلی بار ہمارے
فون پر بات کریں گے۔ چچا ان کی طرف سے بڑے
پریشان ہیں۔ دیکھیں پلیز آپ سمجھنے کی کوشش
کریں۔" جواب میں ان سنی کرتے ہوئے اس نے
گنگنانا شروع کردیا۔ اور پھر وہ کار کو نامعلوم کس
سمت اڑائے لیے جا رہا تھا۔ اب سورج بھی ڈوب
چکا تھا اور شفق کے شنگرفی رنگوں کو شب کے
اولین لمحات کے دیکھتے ہی آنچل نے اپنے اندر جذب
کرلیا تھا۔ وہ ہراساں ہو کر بار بار پہلو بدل رہی
تھی۔

"ہو ہو۔ چچا کو اطلاع دینی بہت ضروری ہے۔
اگر اسی پیغام رسانی میں تم جیسی خوبصورت اور
جوان لڑکی کسی بدمعاش کے ہاتھ لگ جاتیں تو
وہ یا تو تمہیں چٹکیوں میں مسل کر رکھ دیتا یا اپنے
جنون شوق کے البم میں حسین تتلیوں کی طرح تمہیں
محفوظ کرکے رکھ لیتا۔"

اف۔ اس کی اس بات نے خوف کی ایک
سرد سی لہر اس کے بدن میں دوڑا دی۔ تھوک کا ایک
گولا سا اس کے حلق میں پھنس گیا اس لیے کچھ دیر
تک وہ بولنے کے قابل نہ رہی۔ پھر پھنسی پھنسی
آواز میں بمشکل اس نے کہا۔

"وہ۔ وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر ایسا ہی کوئی
خدشہ لاحق ہوتا تو امی مجھے کبھی تنہا چچا کے گھر نہ
بھیجتیں۔ وہ خود بھی بہت محتاط رہتی ہیں اور
وہ۔ اپنا علاقہ ہی تو ہے۔ سب ایک دوسرے
سے واقف ہیں۔ میں تو چچا کے یہاں تقریباً ہر

تیسرے چوتھے روز ملنے چلی جاتی ہوں۔"

"اچھا تو شادمان کی موجودگی میں بھی تم چچا
کے یہاں یونہی تیسرے دن جاتی تھیں؟"
اس نے بظاہر سیدھا سادا سوال کیا مگر اس کے
لہجے میں جو کاٹ تھی۔ اسے وہ بھی بخوبی محسوس
کر گئی۔

"جی ہاں۔ بلکہ شادمان بھائی جب یہاں
تھے تو تقریباً میں روز ہی چچا کے یہاں جاتی تھی۔
اصل میں شادمان بھائی کی کوئی بہن نہیں ہے نا۔
اس لیے وہ مجھ کو بہنوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔"
اس نے اس کے طنز کو سمجھے بغیر نہایت
سادگی سے حقیقت بتائی۔

"اوہ۔ آئی سی۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔
"ویسے آجکل عموماً لڑکیاں بھائی کہہ کر دوسرے
ہی مردوں سے رشتے داری قائم کرلیتی ہیں۔ اصل
میں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا یہ بھی
ایک ٹیکنیک ہوتا ہے۔ اور یہ جو کزن برادرز
ہیں ان سے تو خدا ہی بچائے۔"

"جی نہیں۔ شادمان بھائی مجھے بھائی کی طرح
عزیز ہیں۔ اور میں اتنی گری ہوئی ذہنیت نہیں
رکھتی کہ ان کے ساتھ کوئی غلط رشتہ بناؤں۔
پلیز آپ اب تو مجھے چچا کے یہاں ڈراپ کردیں۔"

"یہ اب تو سے کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس
نے طنزیہ ہنس کر پوچھا۔

"کوئی کچھ بھی نہیں۔ وہ اصل میں امی نے چلتے
چلتے سختی سے تاکید کی تھی کہ چچا کو ساتھ لے کر فوراً
واپس آجانا۔ اب مجھے دیر ہوگئی تو وہ پریشان
ہوں گی۔ یوں بھی تاریکی بڑھتی جا رہی ہے۔"

"اوہ۔ مجھے بڑا احساس ہے تمہیں ان سادی
نزاکتوں کا۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ سارے
احساسات کس وجہ سے ہو رہے ہیں۔"

سدید نے کار کی اسپیڈ مزید تیز کردی۔

کچھ دیر تک تو اس کے الفاظ اور ...
سے جرات کا ... سا حاصل ہوا اور خوف کے ...
میں گھبرانے لگا ... جب اس کے ...
خاموش رہا تو وہ لرزیدہ سی آواز میں بولی۔

"اچھا ایسا کریں کہ آپ مجھے ... کہ آپ
کیوں ... کیا تھا ...
بھی ... میں آئی ہوں ...
اب تو امی واقعی بہت پریشان ہو رہی ہوں
گی۔"

"بھئی یہ تو واقعی بڑی پریشانی کی بات
ہوگی۔ سارا جہاں کے لیے ... کوشش کریں
واپسی میں نامعلوم کتنے گھنٹے لگ جائیں۔
یا پھر دن بھی لگیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں
بولا۔

"کیں۔" وہ اندر ہی اندر دہل اٹھی۔ آج زندگی
میں پہلی بار سراسیمہ انداز میں اس کی طرف
دیکھا۔ وہ سامنے راستے پر نگاہیں مرکوز کیے کار
ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے اچھے اچھے نقوش کے
چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے وہ
کچھ معنی اخذ کرتی۔ وہ اپنے خاندان میں خوبصورت
مانا جاتا تھا بلکہ حقیقتاً تھا بھی۔ مگر ایسی خوبصورتی
بھلا کس کام کی جو دوسروں کے لیے باعث آزار
ہو۔ اس نے سخت کبیدگی سے دل میں سوچا۔
کار جوں جوں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس
کا دل ڈوبے جا رہا تھا۔

"دیکھیں پلیز مجھے میرے گھر پر ڈراپ کردیں۔
میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں۔ اب کبھی تنہا گھر
سے نہیں نکلوں گی۔ اور نہ چچا کے یہاں تو بھول
کر بھی نہیں جاؤں گی۔" وہ رونے جیسے لہجے کے
ساتھ بڑی عاجزی سے بولی۔

"اچھا چچا۔" وہ عجیب سے انداز میں
ہنسا۔

"پلیز سدید بھائی۔ لیکن ... سوئیٹ" وہ معلوم کیا
کہتے جا رہی تھی۔ مگر سدید نے تیزی سے چلتی ہوئی
کار کو ایکدم ہی جو بریک لگایا تو وہ جھٹکا کھا کر
ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرائی۔

• تم جاننا کیوں چاہتی ہو آخر حیرت؟ بولا کیا تمہیں اس رشتے کی اہمیت کا ذرا بھی احساس نہیں جس میں ہمارے بزرگوں نے ہم دونوں کو منسلک کر رکھا ہے؟ اس نے بڑے کرخت لہجے میں گویا جواب کھاتے ہوئے پوچھا۔

• نہیں .. نہیں .. احساس تو ہے .. مگر مگر مجھے عجیب سا لگتا ہے۔ آپ میں ایک دم ہی نام لے کر پکارنا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے تو اس نے اس طرح بات بنائی۔

• اوہ تو گویا بہت محترم آتا ہے میرا نام لیتے یا پھر ہی تمہیں اچھا نہیں لگتا۔ اس کی بات سن کر وہ سنک ہی اٹھا۔

• اصل میں .. اصل میں .. میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ جب تک باقاعدہ طور پر کوئی مسئلہ حل نہیں ہو جاتا کزنز آپس میں کزنز ہی رہتے ہیں۔ یعنی بھائی اور بہن۔ وہ دل کڑا کر کے بولی۔

• ہاں جیسے کہ تم اور شادمان۔ اس نے کار کو آگے بڑھاتے ہوئے بڑی خباثت سے مسکرا کر کہا۔ اور وہ اس کی اس بات پر بری طرح کھول اٹھی۔

• اوہ یس آف کورس۔ وہ مجھے بڑے بھائی کی طرح عزیز ہیں۔ بلکہ میں ایک بڑے بھائی کی طرح دل سے ان کا احترام کرتی ہوں۔ وہ کزنز سے انگیز چاہنے والے یا غلط توقعات وابستہ کرنے والے کزنز میں ہرگز شامل نہیں ہیں ... اور خدا کے فضل سے میرا کوئی ایک کزن بھی کریکٹر لیس نہیں ہے۔ اس نے دانستہ اس پر چوٹ کرتے ہوئے کہا جو جواب میں بھڑکنے کے بجائے مسکرا کر کہا۔

• اور کمال ہے میں یہی چاہ رہا تھا کہ تم ڈرنے اور جھجکنے کے بجائے ڈٹ کر جواب دو۔ ویسے بھی جو بات ڈر اور جھجک کر یا کسی کمپلیکس کے تحت کی جائے مجھے شک و شبہات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

• ہاں میں بھی اچھی طرح تمہاری فطرت سے واقف ہوں تم جیسے لوگ ... نہیں ... دماغی طور پر کھسکے ہوئے بھی ہو۔ لوگ تمہیں جنونی ——

کہتے ہیں۔ تو کچھ غلط نہیں کہتے۔ اور میں تو تمہاری بزدلی خلوص کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم انتہائی پست ذہنیت اور بدطینت بھی ہو۔

وہ نہایت کبیدگی کے ساتھ یہ ساری باتیں دل میں سوچ کر رہ گئی۔ زبان سے تو ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

• میری ایک عادت اور بھی ہے۔ سدید نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ مگر دونیا نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ زچ ہو جانے کے سے انداز میں قدرے جھلا کر بولی۔

• پلیز اب تو مجھے گھر ڈراپ کر دیجیے اور اگر آپ کو شادمان بھائی یا کسی اور کے معاملے میں بھی مجھ پر شک ہے تو میں حلف اٹھا سکتی ہوں یا پھر آپ جو بھی قسم کھلوانا چاہیں، کھانے کو تیار ہوں۔ دیکھیں یہ سب کہہ کر میں خود کو اپنی ہی نظروں میں گرا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ کیونکہ میری غیرت اور خودداری ایسی گھٹیا باتوں کی متحمل نہیں ہے۔ میں اس وقت خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے اپنی عزت ...

اور اس نے ایک بار پھر تیز رفتار میں چلتی ہوئی کار کو اچانک بریک لگایا تو دونیا ہی نہیں خود کار بھی ادھر ادھر ڈگمگا کر رہ گئی۔

• اپنی عزت کا حوالہ نہ دو جانم۔ تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز اور پیاری ہے اور عزت تو ایک طرف تمہاری ایک ذرا سی تکلیف پر میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ آئندہ کبھی بھول کر بھی یہ خیال دل میں نہ لانا کہ میری ذات سے تمہیں کوئی زک پہنچ سکتی ہے۔ اب .. اب میں تمہیں کیسے احساس دلاؤں۔ کیسے سمجھاؤں کہ میرے دل میں تمہارے لیے جذبات کی ایک بھی کسک رہتی ہے جس کا لاوا ہر وقت ابلنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ مگر تمہاری موجودگی [illegible] لیے اتنا فکر ... دینے کی بھی جرأت نہیں رکھتا۔ چنانچہ میرے بارے میں کبھی بھی غلط خیال کو دل کے پاس سے بھی نہیں گزرنے دینا۔

وہ کار کو اسٹارٹ کرتے ہوئے نہایت جذباتی لہجے میں بولا۔ مگر دونیا نے اس کی کسی بات پر کان نہیں دھرا۔ یوں بھی وہ اس جنونی سے شخص کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ جو نامعلوم کس ارادے سے اور کہاں اسے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ لیکن چونکہ اس نے ابھی ابھی اتنے جذباتی سے انداز میں اپنے بارے میں اسے یقین دہانی کرائی تھی اس لیے وہ بھی اپنے دل کے خدشات زبان پر لے آئی۔

• اچھا ٹھیک ہے، اگر آپ کی باتوں پر یقین بھی کر لوں تب بھی یہ جاننا چاہوں گی کہ آخر آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ کیوں لے جا رہے ہیں۔ اور آپ چاہتے کیا ہیں؟

• ہاہا .. اچھے تین سوال۔ اس نے زور سے ہنس کر کہا۔

• یہی تمہاری عدم اعتمادی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور اسی بے اعتمادی کو میں تمہارے دل سے نکال دینا چاہتا ہوں۔ جیسی تم ہو میں اس وقت تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ تاکہ زندگی میں پہلی بار تمہاری کچھ خاطر تواضع کر سکوں۔ آخر تو تم ہی میری لائف پارٹنر ہی ہو گی۔ گھر لے جانے کی بات سن کر تو گویا اس کے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔

• مگر .. مگر .. اس نے خشک ہوتے حلق کی اذیت میں کچھ کہنا چاہا۔ مگر اس کی بات بڑی سفاکی سے کاٹ دی گئی۔

• دیکھو یہ اگر مگر کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ وہ دیکھو وہ سامنے ہی وہائٹ ہاؤس جیسی عمارت نظر آ رہی ہے وہی میرا غریب خانہ ہے یعنی میں اور تم اپنے گھر کے بہت قریب آ گئے ہیں۔

اس نے جمع حاضر کا صیغہ استعمال کیا وہ پل بھر کو رہ گئی۔ اب اس پاگل سے شخص کی کسی بات کی شکایت کرنا بے سود ہی تھا۔ اسے تو یہ وہم تھا کہ اپنے گھر لے جا کر نامعلوم وہ اس سے کیا سلوک کرے گا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی گویائی سلب ہو کر رہ گئی ہو۔

ہنگامہ و پکار یا احتجاج کرنے کے بجائے وہ اس میں بیٹھی رہ گئی۔

چند ہی منٹ کے بعد اس کی کار ایک شاندار اونچے سے گیٹ کے آگے رکی۔ جس کے باہر دونوں جانب دو مستعد باوردی دربان بیٹھے تھے جو کار کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی اثنا میں خود کار گیٹ کھل گیا۔ وہ کار کو آگے بڑھا کر ٹائلز کی چوڑی روش کو عبور کرتا۔ بڑے بڑے ستونوں والے پورچ میں جا رکا۔ ایک باوردی دربان نے جو سیڑھیوں کے آگے ہی کھڑا تھا۔ بھاگ کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

تب ہی دربان کی نظر اس کے پاس فرنٹ سیٹ پر بیٹھی دونیا پر پڑی تو وہ اس کی طرف کا دروازہ کھولنے کے لیے لپکا۔ مگر سدید نے اسے اشارے سے منع کر دیا اور کار سے اتر کر خود اس کی طرف کا دروازہ کھول کر بولا۔

• آئیے سرکار! اندر تشریف لے چلیے!

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔ وہ مخمصے میں پڑ گئی کہ اتر جائے یا انکار کر دے مگر انکار کرنا مشکل ہی تھا۔ کیونکہ دربان سیڑھی کے آگے کھڑا اندر دیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے سامنے انکار کر کے اپنا تماشا بنوانا دونیا کو مناسب نہیں لگا۔ اس لیے قدرے تامل کے بعد چار و ناچار اسے اترنا ہی پڑا۔ اس کا ہاتھ تھامنے کے لیے سدید نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ اسے نظر انداز کر کے تھوڑا سا آگے بڑھ گئی۔

• کیوں کیا ہاتھ تھامنے کی بھی روادار نہیں ہو؟ اس نے قدم بڑھا کر دربان کی وجہ سے ہی شاید دبی دبی سی آواز میں مسکرا کر پوچھا۔ جواب میں وہ خاموش ہی رہی۔

• آئیے۔ اس نے تھوڑا سا جھک کر ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر چلنے کے لیے کہا۔ تھوڑا سا جھجکنے کے بعد وہ آگے بڑھی۔ پورچ کی سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد کوریڈور میں قدم رکھتے ہی پورا گھر سنٹرلی اے سی ہونے کی وجہ سے ایک

[illegible]

"۔۔ اپنے مسکن میں اور کہاں؟" اس نے مسکرا کر بتایا۔

"مسکن۔ مسکن میں؟" حلق میں تھوک کا گولا اٹک گیا تھا اس لیے اس کی آواز پھنس کر رہ گئی۔

"ہاں بھئی۔ یہ میرا مسکن ہی تو ہے۔ میری اسٹڈی، میری لیبارٹری، میری تجربہ گاہ، اور میری آرام گاہ۔ سب کچھ اسی میں ہے۔ اور ہاں میرے شوق اور تسکین کی آماجگاہ بھی ہے اور [illegible] کا دس سالہ محفوظ شدہ خزانہ بھی اسی میں ہے۔"

[illegible]

"آؤ بھئی۔ اندر تو آؤ۔ یہ آنکھیں پھاڑے ادھر کیا دیکھ رہی ہو [illegible]

[illegible]

مگر وہ اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑا کر [illegible] انداز میں بولی۔

"نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ کہیں بھی نہیں۔"

"کیوں نہیں جاؤ گی۔ آخر کیوں؟ جبکہ میں یہی تو تمہیں دکھانے لایا تھا۔ تم نہیں جاؤ گی تو پھر فائدہ ہی کیا ہوگا تمہیں یہاں لانے کا؟"

"فائدہ ہو یا نقصان مگر میں ہرگز اس ویران اور منحوس گھر میں نہیں جاؤں گی [illegible] مگر میں نہیں جاؤں گی۔" وہ [illegible] انداز میں بولی۔

[illegible]

اس کے لہجے میں شدید فرسٹریشن [illegible]

[illegible]

وہ بھی دیر میں اس کے گھر پہنچ گیا۔

تمام راستے دونوں میں ایک لفظ [illegible] رودنیا کی طرف پلٹ کر دیکھنے کی کوشش بھی نہ کی اور دونیا نے اس کی خاموشی کو ہی غنیمت سمجھا کیونکہ وہ تو ذرا ذرا سی بات کی وہ گرفت کر لیتا تھا۔ اور بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیتا تھا۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر اترنے لگی تو اس نے گردن اس کی طرف موڑ کر کہا۔

دھونی! تم ہمیشہ مجھے یہ جتانے کی کوشش کرتی ہو کہ تم مجھے بالکل پسند نہیں کرتیں بلکہ مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ اور آج تو تم نے مجھے خود میری نگاہوں میں گرا دیا ہے۔ اس کے باوجود بھی میں یہی کہوں گا کہ میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور زندگی کی آخری سانسوں تک میری محبت قائم رہے گی۔

اور وہ جو پہلے ہی انتہائی بے چینی کا شکار تھی اس کے آخری فقروں نے بھی اسے بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا کہ اپنے گھر کا گیٹ کھول کر اندر گھس گئی۔ اس نے سراسیمگی پریشانی خوف و ہراس نے بری طرح اسے جکڑ رکھا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اپنے کمرے میں جا کر زار و قطار روئے۔ اتنا روئے کہ اشکوں کے سمندر میں طغیانی آ جائے۔ مگر جونہی گھر میں قدم رکھا چچا کو ماں کے پاس برآمدے میں بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔ اب امی پوچھیں گی کہ چچا تو یہاں بیٹھے ہیں۔ تم اتنی دیر کہاں غائب رہیں تو کیا جواب دوں گی۔ اصل بات تو ہرگز نہیں بتاؤں گی کیونکہ امی [illegible] چچا نامعلوم کیا اپنی سوچیں۔ کیا خیال کریں گے۔ اور اگر یہ کہہ دیا کہ کسی سہیلی کے گھر گئی تھی تو تنہا آتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا تو گھر سے ہر جگہ آنا جانا بند ہو جائے گا۔ چچا کو بیٹھا دیکھ کر یہ سارے پریشان کن خیالات المدوم ہی اس کے ذہن میں گھومے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بہانہ گھڑے اپنی اتنی دیر کی غیر حاضری کا۔ وہ تو قدرت کو خود ہی اس کی حالت زار پر رحم آ گیا۔ اس پر نظر پڑتے

چچا اس کی امی ہنس کر بولیں۔

لو دیکھو، بھلا تم ان کو بلانے گئی تھیں اور یہ خود ہی ادھر آ موجود ہوئے ہیں۔

ہاں آیا بھی ہوں تو محض اتفاقاً۔ اصل میں تمہاری بچی کی دوا لینے گھر سے نکلا تھا۔ واپسی پر سوچا کہ بھابی جان سے بھی ملتا چلوں اس لیے سیدھا ادھر آ گیا۔

چچا نے اس کی امی کے بات کہنے کے انداز پر قدرے جھینپ کر کہا۔

چلیں، یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ خود ہی آ گئے چچا جان۔ آپ کی بات تو ہو گئی ہو گی شاید بھابی سے۔ وہ جو بری طرح شپٹائی ہوئی تھی امی چچا کو سلام کرنا بھی بھول گئی تھی — بات کو مختصر کرنے کی غرض سے بولی۔

نہیں، ابھی کہاں ہوئی۔ ادھر سے فون ہی نہیں آیا۔ چچا کے بجائے اس کی امی نے جواب میں کہا اور وہ جو جلد از جلد ان دونوں کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتی تھی — فوراً ہی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کب سے جی بھر کے روئے۔ آپ ہی آپ اس کی آنکھوں سے اشکوں کے سوتے اس طرح ابل پڑے جیسے پتوں پر بھی بارش کی بوندیں ہوا کے جھونکے سے ٹپ ٹپ زمین پر گرتی ہیں۔ وہ محض اپنی چھوٹی بہن زوبیا کے خیال سے کہ کہیں وہ نہ آ جائے سیدھی غسل خانے میں گھس گئی۔ اور کچھ دیر تک دل پر چھایا غم و غصے کا غبار اشکوں کی صورت میں نکال کر چہرے پر دو چار چھینٹے مار کر باہر نکل آئی۔ اور آتے ہی دھپ سے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ذہن پر ایک گراں بوجھ تھا۔ عقل کچھ کام ہی نہیں کر رہی تھی کہ وہ اچانک ہی کہاں سے نازل ہو گیا تھا۔

ہاں اچانک ہی تو نازل ہوا تھا۔ ورنہ کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تو ہرگز نہیں آیا تھا کیونکہ اسے اتفاق تو نہیں ہوا تھا کہ میں نہایت اکیلی [illegible] کے کہنے پر چچا کو ان کے بیٹے کا پیغام دینے اپنے گھر سے نکلی ہوں۔ یہ تو واقعی محض

اتفاق ہی تھا کہ وہ راستے میں مجھے مل گیا تھا۔ مگر وہ اس راستے سے کیوں گزر رہا تھا جبکہ اس کا گھر تو بالکل مخالف سمت کے ایک دور دراز علاقے میں ہے۔ تو پھر کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر آ رہا تھا۔ مگر نہیں ہمارے یہاں تو وہ کبھی بھولے سے بھی نہیں آیا تھا۔ جس روز سے اس نے میری امی سے سید کے ساتھ جوڑنے کے فیصلے کو ایک حقیقی خوشگوار شادی ہونے میں بات پکی کرنے کی ایک انتہائی معقول سی شکل دی تھی۔ تو پھر یہ سب کیا تھا؟

وہ ابھی اسی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھی کہ تبھی اس کی چھوٹی بہن زوبیا نے فون آنے کی اطلاع دی۔

باجی! آپ کا فون ہے۔

ہیں، میرا فون آیا ہے مگر کس کا ہے؟ حیرت سے چونک کر اس نے بڑے بے تکے پن سے سوال کیا۔

یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ چچا نے فون ریسیو کیا تھا انہیں ہی معلوم ہو گا۔ زوبی کندھے اچکا کر بولی۔

اچھا ٹھیک ہے۔

اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور فوراً وہیں آ گئی جہاں فون رکھا تھا۔ ریسیور نیچے میز کے قریب ہی رکھا تھا۔ وہ بھی شاید فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا اس کے باوجود — جونہی ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ ادھر سے سید کی آواز آئی۔

ہیلو۔ خیریت سے تو ہو نا۔ ابھی تک [illegible] تو نہیں پہنچے تمہارے۔

جواب میں وہ خاموش ہی رہی۔ اس سوچ کے ساتھ کہ چچا سے نامعلوم اس نے کیا کہا ہو گا۔

سنو۔ ڈونو ہیری۔ دیکھو اگر جواب نہیں دو گی تو پھر میں خود ہی امی سے بات کروں گا۔ اور جب انتہائی مجبور ہو کر اس نے اپنے خشک ہوتے حلق کے ساتھ آہستہ سے کہا۔

نہیں نہیں۔ ممانی تو ابھی [illegible] کچھ بتایا ہی نہیں ورنہ پھر وہ تمہیں [illegible] نہیں۔ اللہ نہ کرے [illegible] تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

جانتی ہو [illegible] مجھ سے کتنی نفرت کرو گی۔ تمہارا [illegible]

[illegible] دیا۔ اس لیے اس کی امی کی [illegible] آئی۔

اوہ! تو گویا مجھے دھمکی دے رہی تھی۔ اپنا مقصد حل نہیں ہوتا تو اس لیے [illegible] چچا نے [illegible] وہ بڑی نفرت [illegible] زوبیا نے [illegible] جس کا فون تھا بجو؟

پتا نہیں [illegible] ریسیور کو کریڈل پر پٹخا تھا ممی نے اٹھایا [illegible]

ہیں! یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ سید بھائی تو خود وہاں پر موجود تھے۔ زوبی نے اس کی بات کو جھٹلایا [illegible] چڑ کر بولی۔

تم اب جھوٹ بھی بولنے لگیں۔ تم نے تو کہا تھا کہ فون چچا نے ریسیو کیا تھا۔ اس لیے تم کو معلوم ہی نہیں۔

اب کیا کیا جائے بجو! کبھی کبھی بات ضرورت کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے۔ میں نے سوچا اگر یہ بات بتا دی تو خواہ مخواہ ریسیو بھی کریں یا نہیں۔ زوبی نے شرارت کرنے کے بعد قمیص کو جھٹک کر ڈالتے ہوئے کہا۔

مگر اس پر سخت کوفت اور غصہ سوار تھا۔ اور اس معاملے میں وہ اپنے والدین

سے بھی بہت شاکی تھی۔ کہ انہوں نے بھی اپنی مرضی
اور خوشی بلکہ مفادات کی خاطر اسے سدید جیسے ترچھے
کے ساتھ منگنی کے رشتے میں باندھا تھا۔ جبکہ دل
سے تو وہ اس بات۔ وہ اس رشتے کو ذہنی طور پر بھی
قبول کرنے پر تیار نہیں تھی۔

کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ رشتہ
سدید نے اس سے انتقامی کارروائی کے نتیجے میں
جوڑا ہے۔ اور اس نے محض اسے پھنسانے۔
سبز باغ دکھانے اور اس کے والدین کی آنکھوں
میں دھول جھونکنے کی غرض سے یہ سارا ڈراما
کھیلا ہے۔ ...

اور اس وقت کے ساتھ اسے بہت کچھ یاد
آگیا۔

اب سے تین سال قبل جب اس نے انٹرمیڈیٹ
کا امتحان دیا تھا۔ اس کے رشتے کی ایک پھوپھی
صولت جہاں کی بڑی بیٹی سطوت کی شادی ہو رہی
تھی۔ پھوپھی صولت جہاں سے ایک تو دور کا رشتہ
تھا دوسرے حیثیت کے لحاظ سے بھی وہ دونیا
کے خاندان والوں سے بہت اعلیٰ تھیں۔ کچھ اس
وجہ سے بھی ان کے اور دونیا کے والدین کے
درمیان زیادہ میل جول نہ تھا اور کچھ اس لیے بھی
کہ ہائی جنٹری کے لوگوں کے مشاغل اور مصروفیات
بھی دوسری قسم کی ہوتی ہیں۔ اور ان کے پاس اتنا
وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ زیادہ کسی سے میل جول
بڑھائیں۔ وہ بھی اپنے سے نیچی کلاس کے لوگوں
یا رشتے داروں سے۔ بس خوشی یا غمی میں مواقع
رہ جاتے ہیں آپس میں مل بیٹھنے کے۔ یا دیگر ایک
دوسرے کی احوال پرسی کرنے کے۔ مگر صولت جہاں
کی چھوٹی بیٹی مدحت چونکہ دونیا کی کلاس فیلو
تھی۔ اور دونوں کے درمیان شروع ہی سے کافی
چھنتی تھی اس لیے مدحت خود ان سب کو بلاوا
دینے گئی تھی۔ بلکہ مایوں مہندی اور نکاح کی تقریبات
میں بڑے اصرار سے مدعو کیا تھا۔

پروگرام تو یہ تھا کہ مایوں اور مہندی کی رسومات
میں دونیا اور جھنڈ یا شرکت کریں گی۔ اور نکاح کی
رسم میں ان کے والدین بھی شریک ہوں گے مگر
ہوا یوں کہ زو بیا پر اچانک ہی ملیریا کا حملہ
ہوا اور ایسا تیز بخار چڑھا تھا کہ سب پریشان
ہو گئے۔ پھر دوا دارو سے ہلکا تو ہو گیا مگر اتر
نہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر جاذبہ بیگم نے
یعنی دونیا کی امی نے اس سے کہا کہ۔

تم سطوت کی شادی کی تقریبات اٹینڈ کرو۔
میں زوبی کی دیکھ بھال کر لوں گی۔ کیونکہ صولت
آپا کا یہ پہلا کارِ خیر پہلی خوشی ہے جس میں ہمارا
یہاں سے کسی نہ کسی کا شریک ہونا ضروری ہے۔
پھر مدحت بھی اتنے خلوص اور اصرار سے بلا کر گئی
ہے چنانچہ بہن کی پریشانی میں نہ جاتے ہوئے
بھی وہ مایوں کی رسم میں شرکت کرنے چلی آئی۔
مدحت نے تاکید سے کہا تھا کہ مایوں کی
رسم میں دونوں بہنیں زرد رنگ کا لباس پہن کر
آئیں۔ ہم نے جوہی کے گجروں کا انتظام کیا ہے
کنگن پھول تک جوہی کے پھولوں کے ہوں گے۔
ساری کزنز بھی پہنیں گی تم دونوں کو بھی پہننے
پڑیں گے۔ اس کے پاس اتفاق سے زرد رنگ
کا سلک کا جوڑا موجود تھا۔ جس کے دوپٹے پر
بادلے کا کام بنا ہوا تھا اور کناروں پر گوٹا کناری
بانکڑی لگی ہوئی تھی۔ گو حد درجے سادہ تھا مگر
اس نے وہی زیب تن کیا تھا۔

گلے میں چھوٹی سی ڈیزائن کی کندن کی طلائی چین
اور کانوں میں اسی کے ساتھ کے آویزے کلائیوں
میں زرد ریشمی چوڑیاں اور ہلکا پھلکا سا میک اپ
وہ صولت آنٹی کے ہاں پہنچی تو وہاں سونے
چاندی کے تقریباً تمام لڑکیوں نے زرق برق
ملبوسات پہن رکھے تھے۔ اور ان کے ساتھ
جیولری بھی کافی بھاری اور زبردست کر رکھی تھی
چند ہی یا کر رہ جاتیں۔ سب سے سادہ اور معمولی
اسی کا لباس تھا۔ جس میں وہ تھوڑا سا خود ہی اکیلی
محسوس کر رہی تھی۔ کیونکہ جن لڑکیوں نے زرد لباس
بھی پہنا تھا وہ بھی بڑا جھلمل اور قیمتی تھا۔
اب وہ مالی اعتبار سے کم حیثیت بھی نہیں

تھی۔ بلکہ اچھے خاصے ویل آف گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔
والدین۔ اس کے والد عبدالصمد اچھے عہدے پر
جکشن بنانے اور قالینوں کا کاروبار کرتے تھے
ان کے صرف دو جوان بچے تھے جو ان کے لیے کافی
تھے۔ دو بیٹیاں۔ دونیا، زوبیا اور ایک بیٹا
بیٹا سعید تھا جو آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا
گو روپے پیسے کی ریل پیل تو نہیں تھی مگر اتنا ضرور
مل جاتا تھا کہ بڑے آرام سے گزر بسر ہو جاتی
تھی۔ دونوں میاں بیوی نے میانہ روی کو اپنا
رکھا تھا۔ اور اسی لیے چین سے جی رہے تھے گو دوسروں
پر ان کی حیثیت کا بڑا اچھا امپریشن پڑتا تھا کہ
پانچ سو گز پر تعمیر پرانی وضع کی وہ کوٹھی بھی تھی۔
اور پرانے ماڈل کی کرولا بھی۔ اس کے باوجود بھی
وہ صولت آنٹی کے شاہانہ کروفر دیکھ کر قدرے
احساس کمتری میں مبتلا ہو گئی تھی۔

مدحت نے اپنی کار بھیج کر اسے دوپہر کو ہی
بلوایا تھا۔ کیونکہ عصر اور مغرب کے درمیان مایوں
کی رسم ادا ہونے والی تھی۔ بڑی تعداد میں مہمان
مدعو تھے جن میں بیشتر قریبی عزیز ہی تھے چونکہ
یہ رسم خواتین کی ہوتی ہے۔ اس لیے ہر طرف رنگ
برنگے آنچل ہی لہراتے نظر آ رہے تھے۔
سطوت کی مایوں کی رسم شروع ہوئی تو دستور
کے مطابق ابٹنا کھیلنے کی رسم ادا کی جانے لگی۔
اور چونکہ اس کا سوٹ بالکل نیا تھا اور کافی مہنگا
بھی اور کچھ اس لیے کہ دو تین لڑکیاں اور بھی
بچتی بچاتی سطوت کے کمرے سے باہر نکل آئی
تھیں۔ اس نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ
بھی ان لڑکیوں کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔ اور
بھاگ کر ایک بڑے کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ
لونگ روم کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ایک طرف دیوار
میں نصب ڈریسر اس کے آگے کچھ فاصلے پر ڈبل بیڈ
اور دوسری سمت، صوفے نما کرسیاں اور دیوان اور
کونے میں ایک بڑی سی رائٹنگ ٹیبل۔ دبیز گہری
رنگ کا رونی قالین۔ ڈارک براؤن فرنیچر اور
بیامانی مل شنیل کے پردے۔ حدیقہ یہ تھی کہ

[illegible] تھا جیسے کسی [illegible]
[illegible]
اس نے سوچا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] مختلف [illegible]
جائزہ لے رہی تھی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] معلوم ہوتا کہ یہ کس کا
کمرا ہے۔

چاروں طرف گھومتی اس کی نگاہ رائٹنگ ٹیبل
کے سامنے کی دیوار سے [illegible]
انلارجمنٹ کی ہوئی تصویر پر پڑی تو بس جم کر رہ
گئی۔ تصویر ایک سولہ سترہ سالہ لڑکے کی تھی۔
عجیب الخلقت لڑکے کی تھی اور وہ عجیب الخلقت
ہی لگ رہا تھا۔

جسم تھوڑی سوکھا سے زیادہ لمبی ٹانگیں۔
گول گھوٹے کی طرح لمبے ہاتھ۔
سر پر کنٹوپ نما ٹوپا۔ جس نے بھنوؤں تک
کو ڈھانپ رکھا تھا۔ بیوقوف سا چہرہ۔ طوطے کی چونچ
کی طرح ہونٹوں پر جھکی لمبی ناک۔ ٹھوڑی بھی یوں
لگ رہا تھا جیسے بنانے والے نے زور سے پکڑ
کر کھینچ دی ہو۔ آنکھوں کا جھکاؤ بتا رہا تھا جیسے
بنانے والے نے اپنے قلم سے دو ترچھی پتلی سی
لائنیں کھینچ دی ہوں۔ البتہ رنگت بہت صاف
تھی۔ نیچے کونے میں باریک لکھائی میں کچھ لکھا
ہوا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں
دی۔ لڑکا ہاکی ہاتھ میں لیے زمین پر جھکا بال
کو ہٹ لگا رہا تھا۔ اس کا خیال ایکدم ہی اس کی
ٹانگوں کی طرف چلا گیا۔ اور وہی بات یاد آئی۔

مگر اب اس کو کیا کیا جائے کہ ہم اڑکیبیہ پریشر
کر رہے ہیں:" مدحت بولی۔

"اچھا اگر ہم اڑکیبیہ پریشر کر رہے ہیں تو
اس میں اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تقریر
پر ریمارکس ہی لکھے ہیں کسی کو قتل تو نہیں کر دیا۔
ارتکاب تو نہیں کیا کسی نے:" مدحت کی ان حرکتوں

"نہیں آمنہ! یہ اتنی معمولی بات نہیں جتنی
تم سمجھ رہی ہو۔ یہ سدید بھائی ذرا سی بات کا
بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔ کمال کی مہارت رکھتے ہیں:"
مدحت کی ایک اور کزن ماریہ بولی۔

"ہاں، خوشی کے موقعوں پر ہمیشہ رنگ میں
بھنگ ڈالنے کی عادت ہے ان کی:" سلوت نے
آہستہ سے کہا۔

"ہاں اور بتاتی ہے آپی۔ وہ مجھے ہی ہمیشہ ملزم
ٹھہراتے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ اصل مجرم تم ہو۔
تم ہی بچپن سے شرارتیں کرتی اور دادو اور
تایا جان سے اپنے کان کھنچواتی آئی ہو۔ اگر تم نے
مجھے بات نہ بتائی تو میں ابھی اسی وقت پکڑ کر
تایا جان کے پاس لے چلوں گا:" مدحت واقعی
بہت ڈری ہوئی تھی۔

"ارے چھوڑو، وہ خود کسی سے کیا کم ہیں۔
بچپن سے ہی بزرگوں کی طرح حرکتیں کرتے آ رہے
ہیں۔ کبھی جو وہ کراٹے کے داؤ لگا رہے ہیں تو
کبھی اچھل اچھل کر ہوا میں ہاتھ اور ٹانگیں چلا
رہے ہیں۔ کبھی سرکس کے جوکر کی طرح دوسروں
کو ہنسانے کی کوشش کر رہے ہیں تو کبھی
ڈانس دکھانے کھڑے ہو گئے ہیں۔ کبھی کسی کو
چھیڑنے اور ستانے پر اتر آتے تو اسے جان
چھڑانی مشکل ہو جاتی۔ میں تو ان کے سارے
کرتوتوں سے واقف ہوں:" ثمینہ جلے کٹے انداز
میں بولی۔

"ہاں مجھے تو وہ کچھ پیدائشی طور پر کھسکے ہوئے
لگتے ہیں۔ ایکدم ایب نارمل اور بددماغ سے:"
آمنہ بولی۔

"ہاں اور دیکھو دیکھو وہ کھسکا ہوا ایبنارمل
اور بددماغ سا شخص ادھر ہی آ رہا ہے:" مدحت

نے سیدھا غسل خانے کا رخ کیا اور [illegible]
پر چھپا ہنسی صاف کر کے کمرے میں آ گئی [illegible]
جا چکا تھا تقریباً ساری لڑکیاں اس کے سلوت
کے کمرے میں چاروں طرف سے سلوت کو گھیرے
ہنسی مذاق میں مصروف تھیں۔ کچھ ڈھولک [illegible]
بجا کر گویا سہاگ گیت گانے کی [illegible]
مدحت سب کی خاطر [illegible]
کے پھیرے لگانے میں مصروف تھی۔ [illegible]
سلوت کے کمرے میں بیٹھے کچھ ہی [illegible]
تبھی مدحت بھاگتی ہوئی [illegible]
اندر جھک کر سلوت [illegible]
گئی تو اس کی بچی [illegible]
حد درجے سنجیدہ ہو رہی تھی۔ کھنکھار کر کہا۔

"بھئی، یہ ایٹی کیٹ کے سخت خلاف ہے
سب کے سامنے کان میں کھسر پھسر کرنا۔ جو کچھ
کہنا ہے ہمارے سامنے کہو نا مدحت:"

"ہاں مدحت! یہ ایسی کون سی چھپانے والی بات
تو نہیں ہے۔ جسٹ فیل ڈریم آل شو:" سلوت
بولی۔

"بھئی، بات دراصل یہ ہے کہ وہ سدید بھائی
ہیں نا، وہ آجکل گیسٹ روم میں ٹھہرے ہوئے ہیں"
مدحت نے بتایا۔

"سو واٹ۔ اگر ٹھہرے ہوئے بھی ہیں تو [illegible]
مدحت کی اتنی پھر بھی [illegible] ثمینہ نے تیوری [illegible]
ہلکا سا بل ڈال کر کہا۔

"تو پھر یہ کہ ان کی پورٹریٹ پر کسی نے بڑے
بے ہودہ قسم کے ریمارکس لکھ دیے ہیں اور وہ
لڑکیوں کو اس حرکت کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں"
مدحت نے گویا تفصیل بتائی۔ اور [illegible]
اندر ہی اندر دھک سے رہ گئی۔

"بھئی واہ یہ بھی خوب رہی گویا بندر کی
بلا طویلے کے سر۔ جبکہ ہم نے تو اب تک
گیسٹ روم میں جا کر جھانکا تک نہیں:" مدحت
کی چچا زاد سارا چڑ کر بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے ڈیئر لیکن اگر ہم نے
حرکت نہیں کی تو کسی دوسری نے [illegible] لڑکی ہی ہو [illegible]

باتھ روم کے پاس تین [illegible] ایک
[illegible]
اس کی رنگ [illegible]
کتابیں اور بلیک بورڈ وغیرہ [illegible]
کی عادت سی بن گئی تھی۔

اس نے فریم شدہ تصویر کو آگے کھسکا کر
لیمپ کی مدھم سی روشنی میں غور سے دیکھا۔ اس
کے نیچے ہی بلیک کی رنگت میں لکھا تھا۔

THE GREATEST ATHLETE AND OUR HOCKEY HERO MR. S.S. SARDAR

جو نام تھا وہ [illegible] سے لکھا تھا۔ [illegible]
اس کی [illegible] لکھ دی گئی ہے۔ اس نے سردار کے
آگے کا نام [illegible] کی زحمت گوارا نہیں کی۔ کچھ
لکھنے کے لیے بے تاب اپنی انگلیوں کو چٹخا کر وہ
ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ [illegible] خالی پڑی تھی [illegible]
[illegible] کر دیکھنے کا خیال آیا۔ دراز میں
[illegible] نظر نہیں آئی۔ البتہ ایک لال رنگ
کا مارکر [illegible] نظر آیا۔ جسے اس نے فوراً
اٹھایا اور تصویر کے نیچے [illegible]
میں جلدی جلدی لکھنے لگی۔

"[illegible]
[illegible]"

"[illegible] ہیرو نہیں بلکہ [illegible]
نظر آتے ہیں۔"

"الیاس ہی تصویر بنوانے کا شوق تھا تو آدمی
کی صورت میں آتے چہرے پھر تو بالکل ہی جانور لگ
رہے ہیں۔ دو سینگوں اور [illegible] والے جانور:"
اس نے ابھی یہ عبارت لکھی ہی تھی کہ تبھی
مدحت کی کزنز کے ڈھولک کی آواز اس کے کمرے
میں آ پہنچی۔ ان کو آتے دیکھ کر اس نے مارکر وہیں
تصویر پر رکھ دیا اور جلدی سے اٹھ کر [illegible]
مدحت کی کزنز کے ساتھ باہر نکل گئی۔ ان دونوں
کے ہاتھوں میں [illegible] تھا۔ جسے انہوں نے اس
کے [illegible] بالوں تک [illegible]
دیا تھا۔ جبکہ وہ [illegible] کرتی ہی رہ گئی تھی۔
بہرحال سلوت جب کمرے میں آئے ہی تھے

نے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ اس اطلاع پر سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"اف خدا خیر کرے۔" سارا نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا ہی ہے وہ سطوت کی خوابگاہ میں آگیا۔" اور آتے ہی اس نے وہ تصویر سطوت کے آگے اس کے بیڈ پر ڈال دی۔

"سوری سطوت! میں تمہاری خوشی میں مخل ہوا۔"

اس نے گویا سطوت کے کمرے میں آنے پر معذرت کی اور پھر غصے کے عالم میں لڑکیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"یہ انتہائی گھٹیا اور گری ہوئی حرکت کس نے کی ہے۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ آخر لیڈیز۔"

"واہ ہمیں کیا معلوم کہ یہ اتنی ذلیل حرکت کس نے کی ہے۔" سارا تنک کر بولی۔

"ہاں! یہ عجیب زبردستی ہے کہ ساری غلط باتیں آپ ہم سے ہی منسوب کرتے ہیں۔ جبکہ ہم بے چاری لڑکیوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ آجکل آپ گیسٹ روم میں براجمان ہیں۔ ہم تو اس کے پاس بھی نہیں پھٹکے۔" عینی چمک کر بولی۔

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ بیہودہ حرکت کس کی ہے۔" وہ گلا پھاڑ کر بولا۔

"بھئی کہہ تو دیا کہ ہمیں نہیں معلوم آپ اپنے ان چاروں چیلوں سے کیوں نہیں پوچھتے جو ہر دم سائے کی طرح آپ کے ساتھ چپکے رہتے ہیں۔"

"نہیں۔ وہ چاروں تو صبح سے باہر گئے ہوئے ہیں اور میں ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی تصویر بیڈ پر چھوڑ کر فون ریسیو کرنے گیا تھا۔ واپس آیا تو اس کا یہ حشر دیکھا۔"

"یہ دیکھو۔ یہ مارکر سے بیہودہ فقرے لکھ کر اس کا بیڑہ ہی غرق کر دیا گیا ہے۔"

اس نے انتہائی غصے کے عالم میں سطوت کے آگے سے اپنی تصویر اٹھا کر لڑکیوں کی طرف کی تو سارا نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر دیکھی اور اس پر لکھے ریمارکس پڑھ کر بے ساختہ اسے ہنسی آگئی جسے اس نے منہ نیچا کر کے چھپایا۔

"کیوں کیا تمہاری آئی سائٹ اتنی ویک ہو گئی ہے کہ تم سے کچھ پڑھا نہیں جا رہا یا پھر تم کو انگلش پڑھنی نہیں آتی۔"

وہ سارا کی ہنسی چھپانے کی حرکت پر جل کر بولا۔ تو اس کے جلے کٹے انداز پر سارا نے ہنسی ضبط کرنی مشکل ہو گئی۔ اس نے جلدی سے وہ تصویر ماریہ کو تھما دی۔ اور گھٹنوں میں منہ دے کر بیٹھ گئی۔ اس پر جب ماریہ نے تجاہل سے کام لیتے ہوئے تصویر پکڑ کر پوچھا۔

"ہیں کیا یہ تصویر واقعی آپ کی ہے سدید بھائی" اور اس نے جل بھن کر جواب میں کہا۔

"نہیں کسی چوپائے کی ہے۔" اس پر تو ساری لڑکیوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

"دیکھو میں کوئی مذاق نہیں کر رہا ہوں گرلز بلکہ بہت سیریس ہوں۔ اور دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ گھٹیا حرکت تم میں سے ہی کسی نے کی ہے۔ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ اصل مجرم کون ہے۔ کیونکہ یہ میری پرسٹیج کا سوال ہے۔" انداز اشتعال زدہ لڑکیوں کی ہنسی نے تو جیسے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی وہ بری طرح دھاڑا۔ سطوت نے فوراً ہی اسے ٹوکا۔

"پلیز اتنا چیخیں نہیں سدید بھائی! پہلے یہ سوچیں کہ بھلا کسی کو کیا ضرورت پڑی تھی آپ کی تصویر کا حلیہ بگاڑنے کی۔ اور آخر کون اتنا ڈھیٹ ہے کہ گیسٹ روم میں جا کر یہ الٹے سیدھے ریمارکس لکھتا۔"

"چھوڑیں سدید بھائی۔ آئی تھنک ٹیک اٹ ایزی۔ ویسے بھی آپ کی تصویر کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ صرف شیشے پر ریمارکس لکھے ہیں تو کسی کپڑے سے رگڑ کے

سے مٹائے بھی جا سکتے ہیں۔"

مدحت معاملہ کو رفت گزشت کرنے کی غرض سے بولی۔

"ہا ہا ہا۔ مٹائے تو جا سکتے ہیں مگر مٹاؤں گا نہیں۔ بلکہ دادو اور تایا جان کو دکھا کر تمہارے اس کارنامے پر تمہیں انعام دلواؤں گا۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔" وہ بڑے خطرناک سے انداز میں ہنس کر بولا۔

"لیکن۔ لیکن مجھ سے اس کا کیا تعلق۔ میں تو گیسٹ روم میں گئی تک نہیں۔ پلیز سدید بھائی آئی واز ڈریم بزی۔" مدحت گھبرا کر بولی۔

"او نو۔ اصل مجرم تو تم ہی ہو۔ تم ہی میری غیر موجودگی میں صفائی ستھرائی کرنے فرصت کی چیزیں فراہم کرنے گیسٹ روم ہی جاتی ہو۔ اور کیا میں تمہاری شریر فطرت سے واقف نہیں ہوں۔ تم تو شیطان کی خالہ ہو۔ سمجھیں تم آؤ چلو میرے ساتھ میں تم کو بھی سزا دلائے بغیر نہ رہوں گا۔ معلوم بھی ہے۔ وہ آج تمہارے پھپھو والے سسر صاحب بھی تایا جان کے پاس ہی بیٹھے ہیں ذرا وہ بھی دیکھ لیں گے تمہارے کرتوت۔" اس نے غصے میں مضبوطی سے مدحت کی کلائی پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے کہا۔

اصل میں مدحت سدید کے سگے پھپھو زاد سے منسوب تھی۔ جبکہ سگے رشتے دار ہوتے ہوئے آپس میں بڑی کھٹ پٹ رہتی تھی۔ مدحت کی ہونے والی سسرال کے کئی افراد موجود تھے۔ اور سدید سے کچھ بعید نہ تھا۔ وہ ان کے سامنے مدحت کو ذلیل کر کے رکھ دیتا۔

اور وہ جو اتنی دیر سے اپنی ایک انتہائی حماقت آمیز حرکت پر ڈر کے مارے اندر ہی اندر لرز رہی تھی۔ کہ سب کے سامنے اپنی اس حرکت کا اعتراف تو بڑی بات اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتی تھی۔ اس نے جب معاملہ بگڑتے دیکھا تو نا معلوم کیسے اور کیونکر اپنے اندر جرأت پیدا کر کے وہ کھڑی ہو گئی۔

"اے ٹھہرئیے مسٹر!" اس نے خاصی اونچی آواز میں سدید کو مخاطب کیا۔

"مدحت کا اس معاملے سے کوئی واسطہ نہ تعلق۔ بلکہ آپ کے بقول یہ گھٹیا حرکت میری ہے۔ میں نے آپ کی تصویر پر یہ ریمارکس لکھے ہیں۔ اس لیے اصل مجرم میں ہوں۔" اس کی بات سن کر وہاں موجود ساری لڑکیوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے وہاں سدید کو بھی حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔

وہ عجیب سے انداز میں اس کی طرف گھوم کر بڑی کڑی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں جھوٹ تو بالکل بھی برداشت نہیں کرتا۔"

"اور مجھے بھی کسی کا ڈر نہیں پڑا جو جھوٹ بولوں۔ اصل میں، میں ممانی کے کہنے پر کمرے سے باہر نکلی تو پھپھو کی تلاش میں گیسٹ روم میں جا پہنچی جو بالکل سنسان پڑا تھا۔ وہیں مجھے ایک ٹیبل پر یہ تصویر نظر آئی۔ اور اپنی پرانی عادت کے بموجب میں اس پر ریمارکس لکھے بغیر نہ رہ سکی۔ اور بس۔" وہ تن کر بولی۔

"مگر آپ کو کیا حق پہنچتا تھا اور آپ ہوتی کون ہیں میری اتنی یادگار تصویر پر بیہودہ ریمارکس لکھنے والی۔ اور آپ کی ہمت کیسے پڑی اتنی گری ہوئی حرکت کرنے کی۔" اس کے جواب پر وہ طیش میں آکر بولا۔

"لیکن یہ تصویر جس کے لیے آپ اتنے غضبناک ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی عقابی نگاہوں والا بھی دیکھے تو اسے اس کے اور آپ کے اندر کوئی مماثلت نظر نہیں آئے گی اور اس بات کی تصدیق آپ ان سب سے بھی کر سکتے ہیں۔ اس پر آپ کی تعریف یا خوشامد میں کسی نے جو کچھ بھی لکھا ہے اسے میری طبیعت برداشت نہیں کر سکی کیونکہ سرو قد اور ہینڈسم تو بڑی بات مجھے تو آپ اس میں انسان ہی نظر نہیں آئے۔ چنانچہ میں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔ اینڈ ویری سوری۔ آئی ایم رئیلی سوری۔"

دونیا نے یہ بات کہہ کر گویا اس کی تصویر کی حقیقت واضح کر دی۔

"آپ انتہائی بدتمیز اور بے غیرت ہیں۔ آپ نے گویا مجھے جانوروں سے بدتر سمجھ لیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ فراغت آپ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ آپ کسی لوفر لونڈے کی معلوم ہوتی ہیں۔ آپ انتہائی بے باک اور بے حیا لڑکی ہیں جو اس قدر دیدہ دلیری سے بات کر رہی ہیں۔ وہی مثل ہے کہ ایک تو چوری اس پر سینہ زوری۔ لیکن میں بھی اپنے نام کا ایک ہی ہوں۔ آپ کی اس گستاخی اور اپنی توہین کا ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ آپ کی سات پشتیں یاد رکھیں گی [illegible]۔"

اس نے بڑے غصے کے عالم میں اس پر ملامت کے ڈونگرے برسانے کے ساتھ ساتھ دھمکیاں بھی دے ڈالیں۔ پھر مدحت کی کلائی کو جو اب تک اس کی گرفت میں تھی۔ جھٹک کر فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور اس کے نکلتے ہی ساری لڑکیوں نے دونیا کو بے نقط سنانے شروع کر دیئے۔

"کیا ضرورت تھی بھلا سارا الزام اپنے سر لینے کی۔" مدحت بولی۔

"ہاں واقعی گڑیا۔ یہ کام تمہاری ہی حرکت تھی تو کم از کم سدید بھائی کے سامنے تمہیں اتنے بولڈ انداز سے اعتراف تو نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ثمینہ بولی۔

"ہاں بھئی۔ تم نے اس وقت سخت حماقت کی ہے۔ تم اس شخص سے واقف نہیں ہو۔ اب وہ ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔" آمنہ نے ڈراوا دیا۔

"اونہہ۔ پڑ جائے مجھے پروا نہیں ہے۔ جو کرنا ہے کر لے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"لیکن یہ اچھا نہیں ہوا دونیا۔ تم اگر [illegible] اگر تم سیدھی طرح [illegible] تو شاید اتنی حرکت نہ کرنا پڑتی۔"

"[illegible] کے ساتھ [illegible] تھی۔"

"اچھا خیر۔ واقعی دونیا کی کارستانی [illegible] مدحت کی [illegible]"

ایک کزن صائمہ نے طنز بھرے انداز میں پوچھا۔

"اور ہونہہ۔ اگر کارستانی بھی تمہاری ہی تھی تو [illegible] کی قیامت ہوئی فرشتے [illegible] پر ہی تو لکھا ہے۔" دونیا نے کہا۔ "کیوں نہ گیلے کپڑے سے صاف کر دو۔" ثمینہ نے اسے شرمندہ ہوتے دیکھ کر بہلاتے ہوئے کہا۔

"خیر وہ تو ابھی ایک منٹ میں صاف ہو جائے گا۔ مگر وہ جو مار ترکی کا الگ دل پہ لکھا ہے اسے دھونا ناممکن سی بات ہوگی۔" سطوت نے بھی لب کشائی کی۔

"ہاں ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی کی تصویر پر بغیر جانے بوجھے اتنے ریمارکس لکھ دینا کوئی ڈیسنسی تو نہیں۔"

صائمہ نے پھر طنز کیا تب اس سے بھی نہ رہا گیا۔ اتنی دیر سے ان کی باتیں بڑی برداشت سے سن رہی تھی۔ تڑخ کر بولی۔

"بھئی، یہ حرکت میں نے جان بوجھ کر تو نہیں کی۔ میرے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ یہ تصویر تمہارے کسی کزن کی ہے۔ مجھے بس سخت اور [illegible] لگی تو میں نے بس یونہی اس پر لکھ دیا۔"

"اچھا اب لکھ دیا ہے تو پھر بھگتنا بھی خود ہی۔ سدید بھائی نے تو ان سے بھی باقاعدہ [illegible] کوئی [illegible] بھی نہیں دی [illegible] وہ جو کچھ کہتے نہیں کر کے ہی دکھاتے ہیں۔" صائمہ نے کہا۔

"اوہ مائی فٹ! میں بھی دیکھ لوں گی بھلا وہ کیا بگاڑ لیں گے میرا۔" وہ ایکدم ہی طیش میں آگئی۔

"نہیں دونی! تم انہیں نہیں جانتیں۔ وہ بہت سخت مزاج کے انسان ہیں۔ تمہیں تو آج پہلی بار انہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جبکہ ہمارا تو ان سے روز ہی واسطہ پڑتا ہے۔ یہ تمہاری کلاس میٹ تاجور کے بھائی ہیں اور نہایت سخت قسم کے بھائی ہیں۔"

حالانکہ اسے تاجور کا بھائی ہونے کا سن کر سخت اچنبھا ہوا تھا مگر اس لمحے اس کا موڈ سخت آف تھا۔

"خیر اگر تاجور کے بھائی بھی ہیں تو مجھے کیا"

ڈر نہیں پڑا اور پھر غصے میں جو کچھ اس کے منہ میں آیا وہ اس نے کہہ دیا۔ اور جب وہ اس کے خلاف زہر فشانی کر رہی تھی۔ تبھی وہ ایکدم ہی اندر آگیا۔ اور اس پر ایک زہر آلود نظر ڈال کر اس نے سطوت کے آگے پڑی اپنی تصویر اٹھائی اور کمرے سے نکل گیا۔

صاف ظاہر تھا۔ اس نے دونیا کی ساری صلواتیں سن لی تھیں۔ ثمینہ نے جتایا بھی مگر اس نے بالکل پرواہ نہیں کی۔ موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔ اس لیے مدحت کے بہت روکنے اور کھانا کھا کر جانے پر اصرار کرنے کے باوجود وہ رکی نہیں۔ مدحت کی گاڑی میں آئی تھی۔ اس کا موڈ دیکھ کر مدحت نے اسے اپنی گاڑی میں ہی ڈراپ کرا دیا۔

بلاوا تین روز کا تھا۔ مگر مدحت کے کئی بار فون کر کے بلانے پر اس نے زوبیا کی بیماری کا عذر پیش کر دیا۔ البتہ اس کے والدین نے رسم نکاح میں ضرور شرکت کی۔

حسب عادت کچھ دنوں تک یہ واقعہ یا معاملہ اس کے ذہن میں گردش کرتا رہا۔ مگر پھر نیا سیشن شروع ہونے کی وجہ سے ذہن سے بالکل ہی محو ہو گیا۔

اس نے مدحت کے مشورے پر آنرز کرنے کے سلسلے میں یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ اصل میں اس کے اور مدحت کے درمیان اتنی گہری دوستی تھی کہ تقریباً دونوں کو ہی ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔ اور اپنی مرضی اور مشوروں سے زیادہ وہ مدحت کی مرضی اور مشوروں پر چلتی تھی۔ گو دونوں سہیلیوں کے درمیان حیثیت اور اسٹیٹس کی بہت گہری [illegible] ایک خلیج حائل تھی۔ مدحت اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور وہ اپر مڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔

ان دونوں کی دوستی سے ان کی کلاس میٹ ہی نہیں بلکہ ان کے گروپ کی لڑکیاں بھی خار کھاتی تھیں۔ اور وہ دونیا کو مدحت کی چمچی سے تشبیہ دیتی

تھیں۔ بعض تو جل کر [illegible] تھیں۔ جبکہ [illegible] جاتی تھیں۔

مدحت شاپنگ کو جاتی یا لانگ ڈرائیو پہ پھر کسی [illegible] سے ملنے بیٹھے دونیا کو ساتھ لے جاتی تھی۔ اس سلسلے میں دونیا کو [illegible] شروع کیا تھا۔ جو اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اس کا اصل نام بھول ہی گئے۔ [illegible] یہ تھی کہ اس کی امی جو اسے دونی کہہ کر پکارتی تھیں ان کے منہ سے بھی کبھی کبھی دھونی نکل جاتا تھا۔

اس روز وہ مدحت اور اپنے گروپ کی ایک لڑکی عاصمہ کے ساتھ ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں کھڑی ایک کپل کو برتھ ڈے گفٹ دینے کے لیے گفٹس خرید رہی تھی کہ تبھی عقب سے ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"ارے مدحت تم؟"

"ہائے سدید بھائی آپ! آپ یہاں کیسے نظر آرہے ہیں۔ آپ تو۔" مدحت نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

اور جواب میں سدید نے کیا کہا۔ دونیا نے سنا ہی کب۔ اس کا نام سنتے ہی دونیا کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اب مجھ سے سامنا ہو تو وہ کچھ اول فول نہ بک دے اسی خیال نے اندر ہی اندر سے سہما دیا۔ وہ سیلز بوائے سے یہ کہہ کر کہ ابھی گفٹ پیک نہ کریں۔ میں ذرا آگے جا کر اور دیکھ لوں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اور آگے جا کر دوسری روز میں رکھی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ اسے ایک دھڑکا سا لگا تھا کہیں مدحت اسے نہ بلالے۔ یا پھر سدید کو اس کے بارے میں نہ بتا دے۔

وہ حیلے بہانے سے مختلف اشیاء کا جائزہ لیتی رہی جبکہ گفٹ تو اس نے آتے ہی سلیکٹ کر لیا تھا۔ وہ تو شیلف میں رکھی ہوئی چیزوں کو بلامقصد دیکھتی اس انتظار میں تھی کہ کب وہ جائے اور کب اسے اپنا گفٹ پیک کرانے کا موقع

کر وہ خفا وہ اس کے قریب آ کر رکا اور انگریزی میں بولا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ایک معمولی سے مذاق کو اتنے سنجیدہ طور پر لو گی۔" اس دوران وہ بھی [illegible] اور اچانک ہی اس کے قریب آ کر یہ بات [illegible] ایسا شاک لگا کہ وہ گھوم کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس کی حسین آنکھوں میں اس سے الجھا، حیرت، غصہ، معصومیت اور سب کی ساری کیفیات سمٹ آئی تھیں۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لب تھوڑے تھوڑے سے وا تھے۔ کس قدر [illegible] خیز سا انداز تھا یہ بھی دیکھنے کا۔ کچھ دیر کے لیے تو سدید بھی مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ پھر اس کی طرف تھوڑا سا جھک کر سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"آپ کی اس ادا نے تو آج ہمیں لوٹ ہی لیا۔" پھر فوراً ہی دوسری طرف گھوم کر آگے بڑھ گیا۔ اور وہ واہیات اور بے ہودہ سے فقرے پر پیچ و تاب کھاتی یہ سوچتی رہ گئی کہ مدحت نے جان بوجھ کر اسے کے پاس بھیجا تھا یا پھر وہ اس کی نقابی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ اور سب سے زیادہ تعجب اسے اس بات پر تھا کہ چند منٹ پہلے تو اس کا اس سے سامنا ہوا تھا۔ پھر وہ اسے کیسے پہچان گیا۔ اور ابھی ڈھنگ سے کچھ سوچنے اور سمجھنے بھی نہیں پائی تھی کہ مدحت اور اسرا اس کے قریب آ گئیں۔

"ارے بھئی، بڑی پھنسی پھنسی سی تم لگیں تم تو۔" اسرا نے آہستہ ہی ایک معنی خیز مسکان کے ساتھ کہا۔

"ہائیں! کس معاملے میں بھئی؟" وہ اپنی کھوئی کھوئی سی کیفیت سے نکل کر بولیں۔

"بھئی انہی حضرت کے معاملے میں اور کس کے معاملے میں۔ بڑے راز و نیاز ہو رہے تھے ان سے۔"

اسرا [illegible] اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ بڑی تیکھی نظروں سے مدحت کی طرف دیکھا۔

"ارے نہیں اسرا! ایسی کوئی بات [illegible] کو جانتی تک نہیں۔ اصل میں وہ بالکل ہی دوسرے دماغ کے آدمی ہیں۔ تم سے تعارف کراتے وقت میں اپنی دھن میں آگے بڑھ گئی تھی نا بس اس بات کو ہی انہوں نے محسوس کیا ہوگا۔ بلکہ جتایا ہوگا کیوں دھول۔ یہی بات ہے نا؟" مدحت نے ساری بات بتا کر دونیا سے سوال کیا۔

"ہاں مجھے تو ایکدم کریک پوٹ لگا تمہارا کزن: ببلا جان نہ پہچان اور مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ آپ نے گفٹ نہیں خریدا۔ کیا آپ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ اور جواب میں، میں نے اسے ایسی نظروں سے گھورا کہ شپٹا کر وہ سوری کرتا ہوا بھاگ نکلا۔ اس اثنا میں اپنے اپنے گفٹ پیک کرا کے وہ اسٹور سے باہر نکل آئی تھیں پھر اسرا تو اپنی کار میں بیٹھ کر انہیں خدا حافظ کہتی ہوئی چلی گئی۔ اور اس کے جانے کے بعد اپنی کار میں بیٹھتے ہی مدحت نے پرخیال سے انداز میں کہا۔

"تم نے اسرا کے سامنے تو بات بنالی۔ مگر ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ انہوں نے تمہیں کچھ جتایا ضرور ہوگا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تمہارے اس تصویر والے مذاق کو نہیں بھولے ہوں گے۔ بڑی تیز یادداشت رکھتے ہیں وہ۔"

"ہاں ممکن ہے، ایسا ہی ہو مگر انہوں نے کہا تو کچھ بھی نہیں۔" وہ بات کو ٹالنے کی غرض سے بولی۔

"ارے تمہیں پتا بھی ہے، وہ تمہیں دیکھ کر اور پہچان کر ہی تیرے پاس آئے تھے، ورنہ ہمارے خاندان میں کچھ ایسا دستور ہے کہ جب بھی کسی لڑکے کی اپنی کزن سے سر راہ ملاقات ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو نظرانداز کر کے گزر جاتے ہیں۔ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا معیوب سمجھتے ہیں۔ اور یہ سدید بھائی پر دسویں بار مجھے اس طرح مارکیٹ وغیرہ میں مل چکے ہیں مگر انہوں نے کبھی وش نہیں کیا۔ صاف ظاہر ہے محض ظاہری دیکھتے ہیں۔"

"اوہو بھئی، صرف میری وجہ ہی سے کیوں؟ [illegible] ساتھ اسرا بھی تھی وہ تو بہت ہی اٹریکٹیو ہے۔" مدحت کی بات کاٹ کر اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"ہاں مگر یہ معاملہ خوبصورتی کا نہیں ہے۔ کیونکہ سدید بھائی ایسے دل پھینک نہیں کہ خوبصورت لڑکیوں کو تاڑتے پھریں۔ وہ یقیناً تمہیں پہچان کر ہی ہماری طرف آئے تھے۔" مدحت نے کہا۔

"اچھا بھئی اگر پہچان بھی گئے تھے تو اس میں میرا کیا قصور جو تم خواہ مخواہ میں اس بات کو اتنا طول دے رہی ہو۔" وہ سخت بیزاری سے بولی۔

"اوہو بھئی اس میں اتنا برا ماننے کی کیا بات ہے۔ اچھا کل تو تم شینا کے یہاں خود ہی آ جاؤ گی نا۔ یا پھر میں تمہیں پک کر لوں؟" مدحت نے بھی اسے اتنا بیزار دیکھ کر ایکدم ہی بات کا رخ موڑ دیا۔

"نہیں شکریہ۔ میں خود ہی شینا کے یہاں پہنچ جاؤں گی۔"

اس نے کہا۔ اس کا گھر آ گیا تھا اس نے رسماً مدحت سے چائے یا ٹھنڈا پینے کو پوچھا۔ اور اس کے انکار پر اسے خدا حافظ کہتی ہوئی گھر چلی آئی۔

بات تو بہت معمولی تھی بلکہ کچھ تھی ہی نہیں کہ بہت اتفاقاً اس کی سدید سے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ مگر جس انداز میں سدید نے اسے اس واقعے کی یاد دلانے کی کوشش کی اس کے کچھ نہ کچھ معنی ضرور نکلتے تھے۔ اور مدحت کی یہی کہنا تھی اس نے اس معمولی سے واقعہ یا مذاق کو بھلایا نہیں تھا۔ بلکہ یہ کہہ کر "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ایک معمولی سے مذاق کو اپنے اعصاب پر سوار کر لو گی بس دونیا!" اسے بھی احساس دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس مذاق کو بھولا نہیں ہے۔ خیر اگر اسے یاد بھی ہے تو وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔ میں بھی ایسی کمزور اور لاچار نہیں ہوں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی۔ سوچتے ہوئے آخر میں اس نے خود کو یہ دلاسا دے کر پار کیا۔

وقت اپنے معمول کے مطابق تیزی سے گزر رہا۔ پڑھائی کا سلسلہ بھی بڑی باقاعدگی سے جاری رہا اور اسی طرح وہ تمیزہ اپنے آگے سرک گئے۔ مدحت کے والد ایک [illegible] ستارہ [illegible] تھے۔ اور ان دنوں لندن میں مقیم تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی بلڈ پریشر کا دورہ پڑا تھا اس لیے لندن کے ہی ایک ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ مدحت کی چھوٹی بہن دولت اور بھائی نبیل تو بہت پہلے ہی لندن جا چکے تھے۔ اب ماں بھی جا رہی تھیں اس لیے مدحت کو بھی پڑھائی کو خیرباد کہہ کر ان کے ساتھ جانا پڑ رہا تھا۔ مدحت کے جانے کا سب سے زیادہ رنج دونیا کو ہی تھا۔ جانے کس طرح اپنی طبیعت پر قابو کیے بیٹھی تھی مگر جب ایئرپورٹ پر مدحت کو سی آف کرنے گئی تو اسے اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رہا اور مدحت کے گلے لگ کر وہ اس بری طرح روئی کر رو لی کہ بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور تبھی وہ نہ معلوم کہاں سے اور کیسے نازل ہو گیا۔ دونوں کو روتا دیکھ کر بولا۔

"بھئی میرے لیے تو فی الوقت یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ تم وداع ہو رہی ہو یا یہ تمہاری کزن۔ ادھر دیکھنے والوں کی نگاہیں وداع کرانے والے کو تلاش کر رہی ہیں۔ کچھ تو دوسروں کی موجودگی کا بھی خیال کرو۔" اس کے ان فقروں پر نہ صرف دونیا جس کی عادت ہی ذرا ذرا سی بات برداشت نہ کرنے کی تھی بری طرح سلگ اٹھی بلکہ مدحت کو بھی ہنسی آ گئی۔ مگر وہ تو اس کی موجودگی سے بہت ہی پریشان ہو گئی تھی۔ اور ادھر وہ جانے کیسے چٹکلے چھوڑ رہا تھا کہ دونیا کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آخر اس نے کڑوی نظروں سے دونیا کو گھورتے ہوئے کہا۔

"لو کر لو بات دونیا! زیادہ دانت نہ نکالو۔" اور وہ ہنس کر بولی دیکھ کر دونی چپ سی ہو گئی۔ سارا وقت ہو گیا تھا۔ پھر بھی مسکراتے ہوئے سدید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میرے تو دونوں گمان میں بھی نہ تھا کہ تم"

کی بن کرنے آؤ گے؟"

"میں نہ آتا تو آپ کے پیچھے چلی جاتیں؟ میں تو کب کا پہنچ جاتا بس جہاز کی روانگی میں تاخیر ہو گئی تھی مجھے اچانک ہی سن گن ملی کہ آپ لندن روانہ ہونے والی ہیں۔ اور میں آندھی اور طوفان کی طرح چلا آیا۔"

اس کی بات پر چھیڑنے کے بجائے صولت جہاں ہنسنے لگیں۔ پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر دونوں ماں بیٹیاں لندن روانہ ہو گئیں۔ وہ اس روز ڈرائیونگ نہ سیکھنے کی وجہ سے کار ڈرائیو کرنے والا کوئی نہ تھا۔ شادمان کے ساتھ ان کی کار میں ایئرپورٹ آئی تھیں۔ شادمان کو ریزیڈنشل آفس میں کچھ کام تھا اس لیے وہ ان دونوں بہنوں کے اترنے کے بعد ادھر چلے گئے تھے۔ اور اب اپنا کام نپٹا کر واپس لینے آئے تھے کہ وہ دونوں مدحت اللہ پھپھو کو سی آف کر کے واپس آ گئیں۔

شادمان کے والد عرفان چچا گو اس کے سگے چچا نہیں تھے مگر سگے چچاؤں سے کہیں زیادہ مخلص اور عزیز تھے۔ ان کی مالی حیثیت کچھ اچھی نہیں تھی۔ صرف ایک ذاتی مکان ان کی ملکیت تھا یا پھر دو ہزار کی وہ پنشن جو ایک سرکاری محکمے میں اور سیئر ہونے کے عہدے پر ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں مل رہی تھی۔ تین بیٹیاں تھیں جن کی شادیوں کا معاملہ کسی طرح نمٹ چکا تھا۔ دو بیٹے تھے شادمان اور فرحان۔ فرحان بڑھاپے کی اولاد تھا اور شادمان سے دس بارہ سال چھوٹا تھا۔ چچا کی تمناؤں کا مرکز شادمان ہی تھے۔ جنہیں انہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر اعلیٰ تعلیم دلائی تھی اور ایم بی اے کروایا تھا۔ اور اس تعلیم سے مستفید ہونے کی غرض سے پاپا نے مستقل سنبھالنے کے خیال سے انہیں کمپنی میں بھیج دیا تھا۔

شادمان بھی چچا کی طرح انتہائی مخلص، شریف الطبع اور باکردار انسان تھے۔ اس پر بے حد باوقار اور خوش شکل بھی تھے۔ اور ان دونوں بہنوں کو اپنی سگی بہنوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ ان کے ایک اشارے پر دوڑے دوڑے چلے آتے تھے۔

واپسی میں سدید تو لاؤنج میں کھڑی بھیڑ میں کہیں گم ہو گیا تھا۔ دونیا نے تو اسے نظروں سے اوجھل دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ البتہ زوبی ضرور متلاشی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی مگر وہ کہیں نظر ہی نہیں آیا تھا۔ لیکن جب وہ شادمان کی کار میں بیٹھی تو وہ اپنی شال کا سرا لہراتا نکل آیا۔ اور وہ محض اسے دکھانے کو شادمان سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی۔ راستے میں زوبی نے سدید کا ذکر نکالا تو شادمان بولے۔

"ہاں، سدید خوش اخلاق بھی ہے اور بڑی حد تک بددماغ بھی، اصل میں وہ موڈی سا شخص ہے۔ ایسے لوگ ہر وقت پیکرِ اخلاق بنے یا دانت نکوسے نہیں رہتے۔ بلکہ بات کرنے کا موڈ نہ ہو تو اپنوں کو بھی نہیں گردانتے۔"

"ہائے آپ کو یہ سب کیسے معلوم؟" زوبی نے متعجب ہونے سے زیادہ تجسس سے انداز میں پوچھا۔

"جی، اچھی طرح واقف ہوں سدید سے۔ ایم بی اے کی کلاسز اٹینڈ کرنے جب کیمبرج جاتا تھا تو یہ حضرت وہیں موجود ہوتے تھے۔ موڈ میں ہوتے تو بڑے تپاک سے ملتے اور نہیں ہوتے تو بالکل ہی اگنور کر دیتے۔" شادمان نے بتایا۔

"ہاں یہ ساری اکڑ تو پیسے کی ہوتی ہے اور مدحت تو کہہ رہی تھی کہ یہ بڑا سنکی سا شخص ہے بالکل کریک پرٹ لگتا ہے۔" دونیا نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں، خیر ہے تو بالکل نارمل اور ٹھیک ٹھاک اصل میں والدین کا اکلوتا بیٹا ہے جا لاڈ پیار کی وجہ سے بہت زیادہ اودر ہو جاتا ہو گا، ویسے میں اس سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔"

شادمان نے کہا اور دونیا نے سدید کے ذکر سے بچنے کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ یوں بھی وہ سدید کے بارے میں کچھ سوچنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ کہ ایک تو اس کا اس سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا دوسرے اس واقعے کے بعد وہ اس کے بارے میں کچھ سوچنے سے بھی وہ ڈرتی تھی۔

کیونکہ جب بھی وہ اس کا تصور کرتی ایک کراہت اور ناگواری سی اسے اپنے اردگرد محسوس ہوتی جبکہ سدید خاصا ڈیشنگ اور اسمارٹ تھا۔ مردانہ وجاہت کی ہر خوبی اس کے اندر موجود تھی۔ اس کے باوجود بھی وہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

اس روز کافی عرصے بعد دونیا اس کی بہن اور والدین کو ایک شادی میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا۔ اصل میں ان کے والد کے ایک واقف کار تھے جن کی لڑکی کی شادی تھی بہت امیر لوگ تھے اس لیے شادی بھی بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے تقریب کا انتظام اپنی ڈھائی ہزار گز کی کوٹھی کے وسیع لان میں کیا تھا۔ زوبی نے بھاری کام کا غرارہ سوٹ پہنا تھا۔

اس کی والدہ نے بھی قیمتی کامدار ساڑھی باندھی تھی اور خود اس نے کامدار جھلملاتی فیروزی رنگ کی ساڑھی پر اپنی امی کا سب سے بھاری کندن کا سیٹ زیب تن کیا تھا۔ اس پر ہلکا ہلکا سا میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ اور وہ واقعی قیامت لگ رہی تھی۔ اور جانے کتنی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ مہمان بھی اتنی زیادہ تعداد میں مدعو تھے کہ ایک قریب اگر کھڑا ہوتا تو دوسرے ہی لمحے اس کی جگہ کوئی اور صورت نظر آنے لگتی۔ اور وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ کھانے کی میز پر تو ایک اژدحام ہی لگ گیا تھا۔ وہی شکل تھی کہ تو بچہ پر اور میں بچہ پر۔ کہ مہمان ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کئی وقتوں سے بھوکے ہوں یا پھر شادی کا کھانا کبھی نصیب ہی نہ ہوا ہو۔ اس افراتفری میں اس کے امی ابو زوبی بھی کہیں گم ہو گئے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح جگہ بنا کر میز تک جا پہنچی تھی اور پلیٹ میں کھانا ڈال کر پلٹی ہی تھی کہ عین اس کے کان کے نزدیک کسی نے سرگوشی کی۔

"واؤ، ایسے آپ بھی آج تو بالکل پہچانی ہی نہیں جا رہیں۔" اتنے رش میں وہ یکدم اس کی آواز نہیں پہچان سکی۔ چونک کر مخاطب کی طرف دیکھا تو فرسٹ سوٹ میں ملبوس اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ سدید کھڑا تھا۔ اس اچانک ملاقات پر وہ بھی ایک خوش کن ماحول میں وہ ناگواری کا اظہار بھی نہیں کر سکی۔ مسکرا کر بولی۔

"پہچانے تو آپ بھی نہیں جا رہے مگر۔"

"اچھا کیا واقعی میں بہت اسمارٹ لگ رہا ہوں۔ میرے دوست بھی تو یہی کہہ رہے ہیں لیکن لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔" اس نے کچھ اتنے اعتماد سے انداز میں کہا کہ اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی جسے اس نے خود ہی دبا لیا۔

سدید کی نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔ پہلی مرتبہ اس نے اسے ایک دلنشین انداز میں ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ مسحور سا ہو کر بولا۔

"اوہ۔ یو لک وینڈر فل۔" اور اس والہانہ انداز میں اس کے تعریف کرنے پر وہ بری طرح جھینپ کر بولی۔

"تھینک یو۔ مجھے عادت تو نہیں ہے۔ وہ بس امی نے کہا کہ ساڑھی پہنو تو میں نے پہن لی۔"

"بہت اچھا کیا۔ ساڑھی ہی پہنا کیجیے اس میں آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔" وہ بدستور اس پر نگاہیں ٹکائے ٹکائے بولا۔

تب اسے یکدم ہی احساس ہوا کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے۔ دل میں یکبارگی ایک کھٹک سی محسوس ہوئی۔ وہ جلدی سے میری طرف پلٹتے ہوئے بولی۔

"ارے مجھے تو اس کا بھی خیال نہیں رہا کہ امی اور ابو کو کسی چیز کی ضرورت ہو گی۔" وہ واپس پلٹنے کو بولی۔

"کدھر ہیں آپ کے والدین؟"

"پتا نہیں۔ یہیں کہیں اس رش میں رل مل گئے ہیں۔" اس نے عجلت میں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"سنیں۔ یہ آپ کی ایک امانت ہے میرے پاس اسے لیتی جائیں۔" وہ اس کے پیچھے قدم بڑھا کر بولا۔

"میری امانت؟" اس نے پیچھے پلٹ کر پوچھا۔

وہ وارفتہ سی نظروں سے اسے اپنے
بے پلک دیکھتا ہوا بولا۔
• آخر ان باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے۔
آپ کیا چاہتے ہیں؟ وہ اس کی نظروں کے تاثر
سے گھبرا کر بولی۔
• بہت ہی صاف، صرف آپ کو چاہتے ہیں۔
دل و جان سے: اس نے ڈھٹائی سے مسکرا کر
کہا۔
• یہ کوئی ڈیسنسی نہیں ہے مسٹر سدید، کم از کم
آپ جیسے خاندانی شخص کو یہ باتیں زیب نہیں
دیتیں: اس نے تنک کر کہا۔
• یعنی ہاں لو، اپنے محبوب کو اپنے دل کی بات
بتانا کوئی غیر شریفانہ فعل تو نہیں۔ ویسے بھی
جو کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ محبت اور جنگ
میں سب کچھ روا ہوتا ہے تو۔
• اُف ڈھٹائی اور بے شرمی کی بھی حد ہو گئی
تھی۔ وہ وقت جل کر ذرا سی بھر کر بولی۔
• دیکھیں۔ یہ ایک پبلک پلیس ہے اور
یہاں ایسی باتیں:
• ہاں مجھے بھی اس کا احساس ہے۔ اس نے
اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے کہا۔
• مگر میں تو نہیں لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کر رہا ہوں
صرف تمہارے ہی کان میں کہہ رہا ہوں۔ بات تو صرف میرے
اور آپ کے مابین ہی ہو رہی ہے۔ ویسے بائی
دا وے آپ اس وقت تشریف کہاں لے جا رہی
ہیں:
• ڈیٹنگ پر جا رہی ہوں۔ کیوں آپ کو کوئی
اعتراض ہے: اس نے جل کر کہا۔
• اگر تمہارے ساتھ کسی اور کو دیکھ لیتا تو
تمہارے اس سوال کا جواب بھی تمہیں ضرور ہی مل
جاتا۔ اس لیے کہ تم میری ہو۔ اور یہ بات تم کو
ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے۔
• واہ! یہ اچھی زبردستی ہے کہ دل کو اچھا لگے
مانگے مگر۔
• بس یہ اچھا لگنے کی بات تم کبھی منہ سے نہ
نکال دینا۔
• ورنہ بیچ بازار میں لگے جناب میرا؟ وہ [illegible]
میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتی تھی۔
• ورنہ میں ایک خطرناک آدمی ہوں سدید [illegible]
لہجے میں دھمکی ہی پنہاں تھی۔
• جی جناب۔ دیکھ لوں گی میں: وہ اس کی [illegible]
کو لاپرواہی میں اڑاتی سر کو جھٹک کر بولی۔
• اچھا ٹھیک ہے۔ میں بھی دیکھ لوں گا۔ وہ
وہ خطرناک سے انداز میں ہنس کر بولا۔ تب
بہت مجبور ہو کر اسے دل کی بات آخر زبان پر
لانی پڑی۔
• نہیں: میں اپنی اس روز کی حرکت پر [illegible]
نادم اور شرمندہ ہوں:
• یا پھر کونسی حرکت پر: اس نے انتہائی [illegible]
کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ اور اس کے پوچھنے
کے متعجب سے انداز پر وہ بڑی طرح شپٹا کر رہ
گئی۔
• وہ۔ وہی سطوت آپا کی مایوں والے روز:
• او ہو جی، مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ آپ تو
کب کے گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش کر رہی
ہیں۔ لو بھلا یہاں تو کل کا کھایا بھی یاد نہیں رہتا
کجا کہ سطوت کی مایوں والا دن۔ میں تو کہتا ہوں کہ
ہر بات بھلا دو ——— اس نے گڑے مردے
وغیرہ کہہ کر تو اسے کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رکھا
تھا۔ بلکہ اس کے لب و لہجے میں کچھ ایسی کاٹ تھی
کہ الٹی شرمندہ ہو کر رہ گئی بلکہ اس پر گھڑوں پانی
پڑ گیا۔
• سنو ڈیئر۔ یہ ساری فکریں چھوڑو اور بولڈ
بننے کی کوشش کرو۔ کیونکہ میں اپنی لائف پارٹنر کو
بولڈ ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں تمہیں اپنانے
کا فیصلہ کر چکا ہوں۔
اس نے اسے شرمندگی کے بوجھ سے آزاد بھی
کرایا تو بھلا کس طرح کہ اس کی رکیک بات پر وہ
کھول ہی اٹھی۔
• دیکھیں، آپ اپنے ہوش اور اوقات میں
رہ کر بات کریں ورنہ میں یہی سمجھوں گی کہ آپ بڑے

بے ہودہ اوباش فطرت کے آدمی ہیں۔
وہ انتہائی طیش کے عالم میں اسے بیچ میں
ہی چھوڑ کر سیڑھیاں طے کرتی ہوئی سامنے فلیٹ
کی طرف تیزی سے بڑھ گئی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
تیور مزور جانب لیے تھے۔
• سدید تمہیں کب سے جانتے ہیں آپ سے ہو؟
• یہ [illegible] اس نے [illegible] سا سوال کیا۔ ایکدم ہی وہ
[illegible] تڑپ گئی ہے۔ پھر بہت سارا [illegible]
[illegible] پست سی آواز میں بولی۔
• کچھ نہیں، وہ مدحت کی انگیجمنٹ کے بارے
میں بتا رہے تھے۔ کمال ہے مدحت نے تو مجھے
بتایا ہی نہیں۔ پھر عمر کے مزید کچھ کہنے سے
پہلے ہی اس نے پوچھا۔
وہ امی نے جاتے جاتے شاید گوشت وغیرہ
لانے کو کہا تھا:
• صرف گوشت ہی نہیں بلکہ ایک عدد بڑا
سا لاؤڈو بلب اور ایک فنائل کا ڈبہ جو میں نے
کرا لیا ہوں۔ البتہ گوشت اور سبزی یہ تو وہ عمر
کی بات کاٹ کر بولی۔
• اگر گوشت اور سبزی ہی لینی ہے تو وہ تو
تم مجھے گھر ڈراپ کرنے کے بعد بھی لا سکتے ہو۔
بس اس وقت تو تم سیدھے گھر چلو۔
اس کا موڈ اس قدر سپاٹ ہو رہا تھا کہ اب
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گھڑی کی چوتھائی میں گھر پہنچ
جائے۔
سدید کی آج کی بدتمیزی پر تو اس کا دل
چاہ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طور پر اس کا فون نمبر معلوم
کر کے اسے ایسی کھری کھری سنائے کہ اس کی
ساری اکڑ دھری کی دھری رہ جائے۔ اسے
رہ رہ کر اس بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے
تصویر والی حرکت پر اس کے سامنے اظہار ندامت
کیوں کیا تھا۔ اُف کس قدر بدگو اور بدزبان شخص
ہے [illegible] کیسی کیسی بکواس باتیں کہہ گیا کہ تم اس کی زبان
سے [illegible] بے حیثیت کہیں کی۔
ہونہہ بڑا آیا ہے مجھے اپنانے کا فیصلہ کرنے والا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اور ہاں وہ خود بھی اپنی آنکھوں سے [illegible]
[illegible] کیا تھا۔
[illegible]
[illegible]
میں رہنے والے لوگ [illegible]
کو یاد رکھتے ہیں۔ اس نے بڑی آزردگی سے سوچا۔
اس روز وہ کہیں جانے کی تیاری میں مصروف
تھی کہ تبھی بڑے غیر متوقع طور سے وقت مدحت
کا فون آ گیا۔
• او ہو مدحت۔ بے مروت ہے رخا جاؤ
میں تم سے نہیں بولتی: اس نے مدحت کی آواز
سنتے ہی ناراضی سے شاکی لہجے میں کہا۔
• ارے ایسا غضب بھی نہیں کرنا۔ اگر تم نہیں
بولوگی تو میں کس سے بات کروں گی۔ پہلے کم از کم
میرے سلام کا جواب تو دے دو؟
مدحت کی عادت تھی کہ جب بھی کسی کا فون
آتا یا وہ کسی کو فون کرتی سب سے پہلے السلام علیکم
کہتی۔ یہ صولت جہاں کی دی ہوئی تربیت تھی۔
(جو انتہائی مذہبی خیالات کی حامل تھیں جو تقریباً
ہر ماں کو اپنی اولاد کو دینی چاہیے۔)
• وعلیکم السلام۔ ہونہہ خط لکھنے کی توفیق
ہوئی نہ فون کرنے کی:
• کیسے کرتی ڈیئر فرینڈ: پپا کی پریشانی میں تو
ہمیں خود اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ ایکدم ہی بیٹھے
بیٹھے ان کو ہائی بلڈ پریشر کا دورہ پڑا۔ ہاسپٹل لے
گئے تو معلوم ہوا کہ انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔ کافی
سیریس کنڈیشن ہو گئی تھی ان کی:
• ہائے ویری سوری۔ مجھے کیا معلوم تھا
ورنہ میں تم سے کبھی شکوہ نہ کرتی۔ ویسے اب کیسی

حالت سے بچھ چاجان کی۔ وہ خجل سی ہو کر بولی۔
• بس پرسوں ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئے ہیں اور خیک ٹھاک پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ ویسے میں نے سدید بھائی کے ہاتھ تمہیں خط تو بھیجا تھا۔ کیا اب تک ان کا تم سے کنٹیکٹ نہیں ہو سکا؟
اور سدید کا نام سن کر اس کا دل چاہا اتنی گالیاں دے اتنا برا بھلا کہے کہ سدید کی سات پشتیں بھی یاد رکھیں مگر وہ تو اس خط کا ذکر بھی گول کر گئی جو شادی کے موقع پر اس نے مدحت کا نام سے کرا دیا تھا۔ البتہ اس نے جواب میں انتہائی حقارت سے صرف اتنا کہا۔
• وہ انتہائی گرا ہوا اور ذلیل انسان ہے میرے سامنے کبھی اس کا نام بھی نہ لینا۔
• ہائیں ہائیں۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ جبکہ وہ نہ صرف شریف بلکہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ وہ یہاں جب بھی پپا کی احوال پرسی کو آتے۔ زیادہ تر تمہارا ہی ذکر کرتے تھے۔ انہیں اس بات پر بڑا پچھتاوا ہے کہ انہوں نے ایک ذرا سے مذاق پر سب کے سامنے تمہارے اتنے رُوڈلی بات کی۔ اس لیے وہ اپنی اس زیادتی کا ازالہ تمہیں پیار کر کے کرنا چاہتے ہیں۔
مدحت نے یہ ساری باتیں انتہائی بچکانہ سے کہیں۔ اور وہ جو اس کی باتوں پر غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔
• اوہ مائی فٹ۔ تمہاری باتیں سن کر تو مجھے اس سے اور بھی نفرت ہو گئی ہے۔ تم اب اس کے بارے میں ایک لفظ بھی مجھ سے نہ کہنا ورنہ میں بیچ ہی میں تم سے کٹی کر لوں گی۔
• اوہو بھئی، یہ بچوں کی طرح کٹی اور پکی کی اسٹوپڈ باتیں چھوڑو۔ ماشاءاللہ اب تم جوان ہو گئی ہو۔ کیمپس میں پڑھ رہی ہو۔ اپنے اچھے برے میں تمیز رکھتی ہو۔ حالات کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو۔ میرا کزن کوئی گری پڑی شخصیت نہیں ہے۔ ہم سے بھی کہیں زیادہ اونچا اسٹیٹس رکھتا ہے۔

ـــ ڈیلین میں سفر کرتا ہے۔ اور یہاں بڑی شان و شوکت سے رہتا ہے۔ اب بدکردار ہو تو اسے حسین سے حسین لڑکیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اس کی نظر انتخاب تم پر پڑی ہے۔ آخر ساری بے تحاشا حسین لڑکیوں میں کیا ہے۔ تم بھی ماشاءاللہ جوان ہو گئی ہو۔ ہاتھ پیلے کرنے کا بھی وقت آ گیا ہے۔ عمر ہو گئی ہے شادی بیاہ کی۔
• اوہ فور گوڈ سیک مدی۔ اپنی یہ بکواس بند کر دو۔ اور اگر تمہیں وہ اتنا ہی پسند ہے تو اس سے شادی کر لو۔ مگر مجھے قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش نہ کرو۔
اس نے بڑے صبر و تحمل سے کام لے کر اپنی دانست میں مدحت کی یہ ساری بکواس سننے کے بعد جلے بھنے انداز میں کہا۔
• ارے کاش کہ ایسا ہو سکتا۔ مگر وہ تو تمہاری زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہے۔ اتنا کہ اگر کہیں کا بادشاہ ہوتا تو تمہاری خاطر اپنے تخت و تاج سے دستبردار ہو جاتا۔
مدحت نے اس کے جلے بھنے انداز پر انتہائی شوخ لہجے میں کہا۔ تو اس نے "اوہ" کہہ کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔

اس روز سے وہ مدحت سے دلبرداشتہ ہو گئی تھی۔ وہ جو اس کی ایک مثال دیتی ہیں کہ ہاتھ پیٹ کی طرف ہی جھکتے ہیں تو وہ حقیقتاً بات ہے۔ کہنے کو تو فطری طور پر پیٹ ہی کی طرف جھکتے ہیں۔ اور یہاں پر وہ مثال بھی ہے کہ گدھے کو گدھا کھجاتا ہے۔ تو سدید اونچی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مدحت بھی۔ مدحت اس کی حمایت میں نہیں بولتی تو کیا میری حمایت میں بولتی۔ اس نے اپنے طور پر سدید کے بارے میں جو اس کے تاثرات تھے وہ بیان کر دیے۔ اسے اس بات پر بڑا رنج و ملال تھا کہ مدحت نے سدید کی وجہ سے اتنی پرانی دوستی میں دراڑ

ڈال لیا۔ ورنہ اصل حقیقت سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ ورنہ آخر مجھے کیا ہو گیا تھا؟ یہ کیا ہوا تھا مجھے کہ میں وقتی طور پر جواب دیتی ہوئی اصل بات نہیں کہہ سکتی ہوں۔ جو بات بھی ہوتی ہے یا جواب بھی بعد میں یاد آتا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے پچھتاوے کے ساتھ شرمندگی بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ آخر میں نے مدحت کو اس بات پر ٹوکا کیوں نہیں کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہی ہے یا جو ارادہ بھی رکھتی ہے۔ وہ ایک انتقامی جذبے کے تحت ہے۔ اور جب شیفی نے مدحت کے سامنے ایک اور پتا نہیں کیا کیا تھا تو مدحت تردید کرنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی تھی۔ خیر اب میں اتنی بے بس اور مجبور تو نہیں ہوں اور نہ ہی میرے والدین اس کا دباؤ کھلونے ہیں یا اس کے ڈیل ہیں جو اس کے منتظر چپ چاپ سر جھکا لیں گے۔ جانے کب تک اور کتنی دیر وہ یہی سب سوچ سوچ کر الجھتی رہی۔ مگر اس کی فطرت کے بموجب یہ الجھن بس وقتی ہی تھی۔ جو جلد ہی ختم ہو گئی۔ ان دنوں وہ بڑی شدومد سے پڑھائی میں مصروف تھی اور بڑی باقاعدگی سے کیمپس جا رہی تھی۔ اس لیے اسے گھر میں رونما ہونے والی باتوں کا کچھ علم ہی نہ تھا۔ وہ تو ایک دن زوبی نے بہت خوش ہو کر بتایا کہ سدید نے اپنے پروجیکٹ کا نگران البو کو مقرر کیا ہے۔ اور ان کا جو کاروبار ہے اسے بھی توسیع دینے کا وعدہ کیا ہے۔ چلیے البو ایسے کہہ رہے تھے کہ اب چند ماہ بعد ہی ہم ان شاءاللہ ایک نیا بنگلہ خرید لیں گے کیونکہ سدید بھائی کو ہماری رہائش کے لیے یہ جگہ اچھی نہیں لگتی۔ اور پھر البو کو نئی اور بڑی ماڈل کی کار بھی مل جائے گی۔
• ہاں اور البو ہر وقت ہاتھ باندھے ان کی خدمت میں کھڑے رہا کریں گے۔ وہ اس کے خوش ہو کر بتانے کے انداز پر جل کر بولی۔
• ہیں یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ بھی البو کے متعلق۔ کیا آپ البو کو اتنا گرا ہوا سمجھتی ہیں۔

[illegible]
• [illegible]
تبول ہی نہیں کیا ہے۔ البتہ ان کی باتوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔
• نہیں نہیں خدا کرے ایسا نہ ہو۔ اس شخص کا فر کو کبھی قبول نہ کریں۔ تم بھی کوشش کرو زوبی۔ یہ سب ایک دھوکا ہے۔ اجنبی غریب سے وہ شخص ہماری تذلیل کروانا چاہتا ہے۔ یہ اس کی ایک شاطرانہ چال ہے۔ ہمیں نیچا دکھانے اور اپنے پیروں تلے روندنے کی۔ ہمیں ذلیل کرنے کی۔
• مگر کیوں آخر کیوں وہ ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ ہمارا ان سے یا ان کی فیملی سے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ آخر آپ ان کے بارے میں ایسا کیوں سوچتی ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے انہوں نے آپ کا میرے خیال میں تو وہ آپ کو اچھی طرح جانتے تک نہیں۔ پھر خواہ مخواہ کسی کو شکوک و شبہات کا نشانہ بنانا بھلا کہاں کا انصاف ہے؟
زوبی اس کی الزام تراشی پر تڑخ کر بولی۔ مگر وہ زوبی کو اصل وجہ کیسے بتاتی کیونکہ وہ اچھی طرح زوبی کی لاپرواہ فطرت سے واقف تھی کہ وہ اگر تصویر والے واقعہ کو پیش بھی کرتی تو اسے کوئی اہمیت نہ دے کر اس کا مذاق ہی اڑاتی۔ لیکن اب وہ ساری باتیں یعنی سدید کی باتیں تو اسے

[illegible] تنے سے [illegible] ہوئی تھی۔ اس کے لیے اس نے [illegible]
بیچ میں [illegible] بس اتنا بتا دو کہ مجھے
[illegible] پسند نہیں جو وہ سدید کے ساتھ
[illegible] ہیں۔ پلیز میری پیاری، بہن تم یہ بات
ان کے ذریعے ہی ابو سے کہلوا دو۔ دیکھو اس میں
تمہارا تو کوئی حرج نہیں ہوگا نا۔"

"اچھا کہہ دوں گی۔" زوبی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولی۔

اب یہ تو اسے معلوم نہیں ہوا کہ زوبی نے اس کا پیغام اس کے ابو تک پہنچایا بھی یا نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ گھر کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی نظر آئی نہ حالات میں۔ چنانچہ اس نے اس بات سے اندازہ لگایا کہ ابھی تک بات آگے نہیں بڑھی ہے۔

اس لیے جیسا کہ اس نے سوچا تھا کہ ابو سے بھی اپنی امی سے اس معاملے یا سلسلے پر خود بات کرے گی تو گھر میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ مگر کچھ ہی روز بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے ابو بہت دیر سے گھر آنے لگے ہیں اور حیرت کی بات یہ کہ اس کی امی ان کے اس تاخیر سے آنے پر ہراساں نہیں ہوتیں۔ بلکہ بڑی خندہ پیشانی اور تپاک سے پیش آتی ہیں۔ ابو بھی بڑے نہال اور مگن سے نظر آتے تھے اور وہ اس کی وجہ معلوم ہی کرنا چاہ رہی تھی کہ ایک دن یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔

جب گھر میں بے موقع اور بے وقت مرمت وغیرہ کے بعد رنگ و روغن کرایا گیا۔ ڈرائنگ روم کی سیٹنگ بدل گئی۔ نئے پردے اور چند قیمتی آرائشی چیزوں کا اضافہ کیا گیا۔ بیرونی برآمدے اور سیڑھیوں کو خوشنما پھولوں کے گملوں سے مزین کیا گیا کہ گھر کی چیزوں میں اضافہ تبدیلی اور رنگ و روغن ہمیشہ عید کے موقع پر ہوتا تھا۔ جبکہ عید میں بھی ابھی کم و بیش چھ ماہ کا عرصہ باقی تھا۔ وہ صاف سمجھ گئی کہ یہ اتنی زبردست تبدیلی سدید کے ساتھ ان کے کاروبار میں اس کے ابو کی شمولیت کے نتیجے میں ہے۔ اور عزیزی تو صرف [illegible] کی طرح چیزوں کی کافی بڑی خوبصورتی [illegible] ہوتا ہی جاتی تھی۔ جبکہ ان دنوں [illegible] ابو بھی بہت خوش تھے۔ اسے ایک [illegible] کا بہت رنج تھا کہ اس کی بڑی بہن [illegible] کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ اور عین [illegible] سدید کے ساتھ اس کے کاروبار [illegible] بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ [illegible] بیشتر معاملات میں اس سے بھی مشورہ [illegible] تھے۔ اس پر اسے پورا یقین تھا کہ زوبی نے [illegible] کے خیالات کے بارے میں ان کو [illegible] بتایا ہوگا اس کے باوجود بھی انہوں نے [illegible] نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ یعنی [illegible] میں اس کی ذات کو کوئی اہمیت ہی دی [illegible] سے کوئی بات ہی کی۔ چنانچہ اپنی طرف [illegible] کچھ پوچھنا اپنے وقار کے منافی لگا۔ کیونکہ [illegible] تو وہ گھر کی بڑی بیٹی تھی۔ دوسرے [illegible] میں طنطنہ بہت تھا۔ اس لیے وہ بالکل [illegible] بن گئی۔

وہ تو ایک روز اس سارے کروفر کا [illegible] ہی کھل گیا۔ جب اس کی امی نے بہت [illegible] بتایا کہ سدید نے اس کے ابو کو اپنے [illegible] کا [illegible] مقرر کیا ہے۔ گو گھر کی بدلی ہوئی [illegible] اور حالات دیکھ کر وہ پہلے ہی سب کچھ [illegible] لیکن چونکہ وہ سدید کے ساتھ کوئی بھی معاملہ طے کرنے کے سخت خلاف تھی اس لیے [illegible] بگڑ اٹھی۔

"کیا ضرورت تھی بھلا۔ ابو کو ان غیر [illegible] لوگوں کے کاروبار میں شمولیت کرنے کی، جبکہ خدا کے فضل سے ابو کی مالی حیثیت بھی بہت [illegible] ہے۔ پھر انہوں نے دوسرے کا محکوم بننا کیوں گوارا کر لیا۔ کیوں آخر کیوں امی!"

"بھئی، پیسہ بنانے کے لیے اور تمہارا مستقبل سنوارنے کے لیے۔" امی نے کہا تو وہ ان کے [illegible] کچھ کہنے سے پہلے بولی۔

"کہیں ہمارا مستقبل کہیں تاریک نہ ہو جائے گا۔"

"ارے کیوں۔ جبکہ ہمارا مستقبل تو بہت روشن ہے خیر سے ہمارے ابو [illegible] سے [illegible] انہوں نے اپنی ساکھ بھی اچھی ہی بنائی ہوئی ہے۔"

"ہاں اور ابھی ساکھ کو مزید بہتر بنانے میں تو کوئی برائی نہیں ہوتی۔ اب وہ زمانہ تو نہیں رہا کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے یا تو جو کچھ مل رہا ہے اس پر تکیہ کر کے بیٹھا رہے یا پھر وقت کا انتظار کرنے میں عمر گزار دے۔ یہ تو کچھ بن کر دکھانے کا دور ہے۔ وہی شخص ہے کہ جو کچھ کرے [illegible] مار کھائی وقت کو گنوا کر ہاتھ ملنے کے مترادف ہی ہوتا ہے۔ وقت سے فائدہ اٹھا کر ہی انسان کچھ بنتا ہے۔ لیکن جو لوگ وقت کی بہتی ہوئی دھار میں ہاتھ ڈالیں گے تو وقت یونہی ہوا کے دوش پر سبک رفتاری سے نہیں گزر جائے گا۔ بلکہ تمہیں اپنی سی کچھ چھاپ ہی لگا کر گزرے گا۔ اور یہ لوگ اجنبی اور غیر ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ تمہارے ابو کے دور کے سہی مگر رشتے دار ہی ہیں۔ زونا بیگم تمہاری دادی کی فرسٹ کزن لگتی ہیں۔ اصل میں تمہاری دادی جان ایک امیر و کبیر خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ دادا کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور۔"

"اوہو امی۔ آپ مجھے یہ کیا بتانے بیٹھ گئیں۔ وہ لوگ اگر کہیں کے بادشاہ بھی ہوتے تو تب بھی [illegible] کی حیثیت سے متاثر ہونے والی نہیں ہوں۔ مجھے تو بس اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ ابو نے ان کی ملازمت کس دل سے قبول کر لی۔ جبکہ ان کا تو اپنا ذاتی کاروبار ہے۔ اور اس سے جو کچھ بھی آتا ہے۔ وہ ہمارے سر آنکھوں پر چلتا ہے۔ پھر بھلا کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا کچھ مناسب تو نہیں ہوگا۔"

"اے توبہ کرو بیٹی ہم کسی کے آگے خدا نہ کرے ہاتھ کیوں پھیلانے لگے تم تو [illegible] دیکھتی ہو نہ کمائی بس اپنے ہی چلی جاتی ہو۔ یہ درست ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہماری مالی حیثیت کافی مضبوط ہے۔ مگر بیٹی! آج کل کی مہنگائی اور ترقی یافتہ دور میں جہاں [illegible] زندگی گذارنا بھی [illegible] نہیں ہوتی۔ [illegible] اللہ دونوں بیٹیاں آگے پیچھے جوان ہو [illegible] کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا ہے۔ اور اگر تمہاری قسمت وہاں کھل گئی تو ہمیں تو [illegible] دینا پڑے گا۔"

"کہاں امی [illegible]" بڑے تکلف سے [illegible] سے پوچھا۔

"ارے بس اب کیا بتاؤں، بات تو ابھی آگے بڑھی نہیں اور بیٹے سے بھی نہیں [illegible] انکل ابھی اس کے سوال کرنے کے انداز پر [illegible] کر لو بس۔"

"بات آگے بڑھی یا [illegible] اس سے کیا فرق [illegible] ہے امی۔ مگر بات ہے کچھ ضرور جو آپ مجھ سے چھپانا چاہ رہی ہیں۔ [illegible] ہے۔ اور [illegible] بات آپ کی مرضی پر [illegible] عادی نہیں۔"

"اوہو۔ تم تو بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہو۔ [illegible] میں بھلا کس [illegible] وہ تو چونکہ بات ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچی ہے اس لیے نہیں بتانا چاہ رہی تھی [illegible] کوئی خاص بات بھی نہیں ہے۔ وہ سدید میاں نے تمہیں پروپوز کیا ہے اور بس۔"

اور اس [illegible] اہم بات کو سن کر اسے ایسا لگا جیسے وہ زلزلے کے شدید جھٹکے کی زد میں آگئی ہو۔ وہ تڑپ کر بولی۔

"نہیں امی نہیں۔ اس شخص کا پروپوزل واپس کر دیجیے۔ خدارا مجھے وہ پروپوزل [illegible] میں نے شادی نہ کرنے کا عہد کر لیا ہے۔ آپ یہ بات اچھی طرح سن لیجیے امی کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔"

"اے واہ یہ باولی ہوئی ہو کیا۔ اے بڑی بڑی بادشاہ زادیوں کی شادیاں ہوتی تھیں۔ تم میں کیا عجب نخرے پر لگے ہیں جو تم شادی نہیں کرو گی۔ اے ہاں ایک اتنی سی بات بتا دی تو تم کیسی سرپھری بنی تو اس نے [illegible] صرف خیال ہی ظاہر کیا ہے۔ تمہارے ابو نے بھی صاف صاف کہہ دیا کہ میاں صاحبزادے

یہ معاملات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ انہیں خاندان کے بزرگ ہی طے کرتے ہیں اگر تم واقعی سنجیدہ ہو تو اپنے والدین سے کہو کہ وہ خود آکر باقاعدہ پیغام دیں۔ چنانچہ۔“

”اُف امی! اب میں آپ سے کیسے کہوں کس زبان سے بتاؤں کہ خواہ کسی کے والدین آئیں یا گورنر جنرل، جب میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی تو۔“

”اسے چھوڑو اس نے تو موقع کو اب کوئی اچھا رشتہ آیا تو ہم تمہیں بٹھانے سے تو رہے۔ شادی تو تمہاری ہر صورت میں ہوگی۔ اب یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ زوناش بیگم اپنے پروجیکٹ کا افتتاح کرنے خود ہی آرہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے یہاں بھی آئیں گی۔ خیر میں نے تو پہلے سے ہی سب کچھ چیک شاک کرا کے رکھ لیا ہے۔“

اس کی امی نے اس کی کسی بات پر توجہ نہیں دی الٹا اپنی ہی کہے گئیں۔

”جی ہاں ضرور! پچھلی دفعہ ان کے صاحبزادے اتنے وعدے وعید کرنے کے بعد یہاں آگئے تھے جو اب وہ آئیں گی۔ امی یہ سب منہ دیکھے کی باتیں ہوتی ہیں ورنہ آتا جاتا کوئی بھی نہیں۔“

”ہاں عام حالات میں تو وہ شاید ہی آتیں۔ مگر اب بیٹے کی ضد اور خواہش کے ہاتھوں مجبور ہوکر تو ضرور آئیں گی۔“ ماں نے کہا تو وہ تنک کر بولی۔

”ٹھیک ہے پھر آئیں گی تو آئیں مگر میں ان کے سامنے ہرگز نہیں آؤں گی میں آپ سے کہہ چکی ہوں امی کہ میں شادی نہ کرنے کا عہد کر چکی ہوں۔ آپ ابو کو بھی میرے اس ارادے سے آگاہ کردیں اور ایسا ہی ہے تو زوبی کو ان کے سامنے پیش کر دیجیے گا۔“

”یہ تم کیا بک رہی ہو گستاخ لڑکی! تمہیں کس نے اتنی جرات دی میرے سامنے زبان چلانے کی۔ اور تم ہوتی کون ہو عہد کرنے نہ کرنے والی۔ میں نے تمہیں [illegible]۔ تمہیں جنم دیا ہے۔ پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے مجھے پورا پورا اختیار ہے۔ میں جس سے چاہوں گی تمہاری شادی کروں گی۔ جاؤ چلی جاؤ میری نظروں کے سامنے سے اب آئندہ کبھی اس معاملے میں اپنا منہ نہ کھولنا۔“

اس کی امی جو اتنی دیر سے اس کی خود سرانہ باتوں کو برداشت کر رہی تھیں۔ زوبی کو سدید سے منسوب کر دینے کے مشورے پر ایکدم ہی طیش میں آگئی تھیں بلکہ ایک طرح برس ہی پڑی تھیں اور وہ بھی آنکھوں میں اشکوں کی جھلمل سمیٹے۔ فوراً ہی ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

ماں نے بری طرح جھڑکا تھا۔ ڈانٹ پلائی تھی یا جو کچھ بھی تھا اس کے باوجود بھی اپنے ارادوں میں تبدیلی لانے کے لیے وہ کسی طرح تیار ہی نہ تھی۔ واہ یہ بھی خوب رہی میری کوئی حیثیت ہی نہیں رہی امی کی نظروں میں۔ جس سے وہ چاہیں گی میری شادی کریں گی۔ گویا میری مرضی کو کسی بات میں کوئی دخل ہی نہ ہوگا تو پھر امی اور ابو نے مجھے تعلیم کیوں دلوائی۔ کیوں بڑی بیٹی بڑی بیٹی کہہ کر مجھے اپنی اہمیت کا احساس دلایا۔ اس سے تو اچھا تھا وہ مجھے جاہل ہی رہنے دیتے۔ خیر میں بھی وقت آنے پر دیکھ لوں گی کہ کس کی مرضی چلے گی۔ وہ چپکے چپکے آنسو بہاتی بڑی دیر تک یہی سب سوچتی رہی۔

آخر وہ دن بھی آگیا جس کا اس کے والدین کو بڑی شدت سے انتظار تھا۔ اس روز وہ ناشتے سے فارغ ہوکر کیمپس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ زوبی نے آکر کہا۔

”بجو! امی کہہ رہی ہیں کہ آج آپ کیمپس نہیں جائیں۔“

”کیوں بھئی، کیوں نہ جاؤں سیشنز شروع ہونے والے ہیں آج تو لیکچر اٹینڈ کرنا بہت ضروری ہے۔“

”اچھا مگر امی نے تو یہی کہا ہے آپ خود ہی ان سے بات کرلیں نا!“ زوبی بولی۔

”وہ تو میں ان کو بتا دوں گی مگر پہلے تم بتاؤ کہ ایسی کیا خاص بات ہے جو مجھے کیمپس جانے سے روکا جارہا ہے۔“

”ہائے تو آپ کو کچھ معلوم ہی نہیں پتا نہیں کس

دنیا میں رہتی ہیں آپ۔ بجو! امی ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ آپ گھر کی باتوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتیں۔ ورنہ بڑی بیٹی ہونے کی رو سے تو مجھ سے زیادہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔“

زوبی غصہ کر رہی تھی یا حسبِ عادت مذاق اس نے الجھی الجھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور تیکھے سے انداز میں بولی۔

”میں تو بالکل ہی نابلد ہوں مگر تم کو تو ہر بات معلوم ہوتی ہے جو بک بک کرنے کے بجائے تم ہی بتا دو کہ آخر بات کیا ہے۔“

”وہ محترمہ زوناش آنٹی صاحبہ! آج ہمارے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمانے آرہی ہیں۔ اب ان کے ساتھ اور کون ہوگا اس کا مجھے اصلاً علم نہیں۔“

”میں نے تم سے یہ کب پوچھا کہ ان کے ساتھ اور کون ہوگا۔ ویں بدتمیز کہیں کی تم خود ہی ان کی آمد کے بارے میں بتا رہی ہو ورنہ مجھے تو قطعی کوئی خبر نہ تھی۔ اور آخر ان کو بلایا کیوں گیا ہے۔ دیکھ لینا خود ہماری اپنی ہی بیٹی ہوگی ہمارا ہی مذاق بنے گا۔ ویسے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ دیتی ہوں کہ وہ ہمارے یہاں کبھی آئیں گی ہی نہیں ہاں دیکھ لینا وقت کے وقت انہیں کوئی ضروری کام پڑ جائے گا۔“

”ارے بجو۔ کون سی وہ فرمانروائے سلطنت ہیں۔ ہم ہی میں سے ایک ہیں۔ ہماری رشتے دار۔ ان کی آمد کوئی اتنی بڑی اور اہم بات تو نہیں ہو گی۔ خیر میں امی سے جاکر کہے دیتی ہوں کہ میں نے آپ کا پیغام بجنسہٖ پہنچا دیا ہے۔ باقی آپ جانیں اور وہ۔“ اتنا کہہ کر زوبی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ کچھ عجیب سے حالات میں تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس نے کس بات پر اسے بری طرح ڈانٹ پلائی ہے۔ اس کے جانے کے بعد اس نے اپنی امی سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا مبادا کہ ماں شادی کے موضوع پر کوئی نیا لیکچر دینے بیٹھ جائیں۔ ماں نے کیمپس جانے سے روکا تھا اس لیے اسے بھی جانے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی امی خود بھی اس کے کمرے میں آگئیں اور آتے ہی بلا تمہید کہنے لگیں۔

”آج زوناش بیگم آرہی ہیں۔ ایک تو ذرا اگر کیمپس کی خبر بھی لے لو اور دوسرے ذرا اچھے کپڑے پہننا اور گلے اور کانوں میں بھی کوئی اچھا سا زیور ڈال لینا۔ اور ہاں ان سے پٹر پٹر باتیں نہ کرنے لگ جانا اس طرح منہ پھلا کر بیٹھنا بلکہ بہت تمیز اور اخلاق سے پیش آنا تاکہ وہ بھی دل ہی دل میں ہماری تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں کہ ہم نے تمہیں اچھی عمدہ تربیت دی ہے۔ دیکھو جو کہہ رہی ہوں وہی کرنا۔ کہیں مجھے تم کر رسوا نہ کرا دینا۔“ اس کی امی بس یہ کہنے آئی تھیں۔ بات پوری کرکے فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اُف کس قدر مرعوب ہیں یہ امی اور ابو ان محترمہ سے یہ سارا ان کی دولت کا کرشمہ ہے ورنہ اپنے ابو اور امی تو کسی سے بھی مرعوب ہونے والے نہیں ہیں۔

اس کی امی نے خواہ مخواہ اسے گھر میں روک کر اس کی پڑھائی کا حرج کر دیا تھا۔ ورنہ زوناش بیگم تو ٹھیک کے وقت میں تشریف لائی تھیں اور وہ جو ایک شعر ہے کہ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا تو وہ جو سمجھ رہی تھی کہ ان کے ساتھ خادمائیں اور رشتے دار خواتین کا ایک جتھا ہوگا تو اس کے برعکس صرف ایک خاتون ان کے ساتھ آئی تھیں۔ جن کے بارے میں بعد میں اسے پتا چلا تھا کہ وہ ان کی دست راست، مشیر اور رفیق بھی ہیں۔ اور خادمہ بھی یعنی دوسرے معنوں میں ان کی ناک کا بال ہیں۔ کیونکہ وہ ہر مشورہ، ہر کام ان سے ہی لینے کی عادی تھیں۔

امی کی تاکید کے مطابق اس نے زمردی رنگ کا بوتیک کا ڈیزائن شدہ لباس زیب تن کیا تھا جس کے ساتھ ہلکا پھلکا طلائی زیور بھی پہنا تھا۔ اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک بھی لگائی تھی جس میں زوبی کے لفظ لفظ سے وہ قیامت لگ رہی تھی۔ ماں کے بلانے پر وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو بڑے صوفے کے ایک سرے پر زوناش بیگم اور دوسرے سرے پر خاتون خانہ کو

بیٹھے پایا۔
ان دونوں میں سے کسی ایک کو دیکھنے کا کبھی اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ مگر زوناش جو ان سے آج بھی سادہ مگر قیمتی ساڑھی پر کانوں میں ہیرے کے ٹاپس اور انگلیوں میں بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھیاں پہنے تھیں۔ دراز قد، فربہ مائل جسم اور اجلی اجلی رنگت کے ساتھ صوفے پر اپنی ندرت کا جادو جگانے بڑی تمکنت سے بیٹھی تھیں۔ انہیں پہچاننے میں اسے دیر نہیں لگی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو انہوں نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اور خاتون عافیہ سے بدستور باتوں میں مصروف رہیں۔ ان کی یہ بے نیازی اسے بالکل نہیں بھائی۔ ماں نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا تو بادل ناخواستہ ان کے پاس ہی جا کر بیٹھنا پڑا۔

"امی تو لیق بھی نہیں پہچان کر ملنے پر بیٹھی تھی ہی ادا دعیں۔ اب یہ کیا سوچیں گی بھلا" ماں نے اس کے بیٹھتے ہی دبی دبی سی آواز میں اسے ٹوکا۔

"کیسے کروں سلام" انہوں نے تو نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا تک نہیں" ماں کا ٹوکنا اسے ذرا نہ بھایا۔ اس لیے اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"اچھا اب ذرا تمیز سے بیٹھو۔ دیکھو وہ تمہاری طرف متوجہ ہیں" اس کی امی نے سرگوشیانہ انداز میں اسے بتایا۔ اور پھر اسی لمحے بیگم زوناش کی جانب مخاطب کرتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولیں۔

"وہاں تمہارے ابو کو اب بات کرنے کی بھی کہاں فرصت ہے آنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔"

"تمہاری پھوپھو اپنوں میں ہی تو جتنی ہیں" خاتون عافیہ سے بات کرتے کرتے زوناش بیگم اس کی امی سے مخاطب ہو گئیں۔

"عدیل صاحب سے تو پروجیکٹ پہ ملاقات ہو گئی تھی۔ میرے پاس تو بالکل وقت ہی نہیں ہے۔ آج رات کی فلائٹ سے ایمسٹرڈیم واپس جا رہی ہوں۔ بس اب چلتی ہوں۔"

"ارے اتنی جلدی میں نے تو سوچا تھا کہ جو دل ولیمہ تھا اس میں آپ کو بھی شریک کروں گی۔ مگر آپ کے پاس تو وقت ہی نہیں۔ جاؤ دو شاہی بخش سے کہو کہ وہ چائے لے آئے"

"اب چائے وغیرہ میں انہیں جانے نہیں دوں گی" اس کی امی نے زوناش بیگم کو جانے سے پہلے یوں پہ تو لے۔ دیکھ کر بولیں۔ کہ انہوں نے تو بڑے پر تکلف ڈنر کا بھی اہتمام کیا تھا۔ اور کئی مہمانوں کے لیے کیا تھا۔

"نہیں شکریہ! آپ بالکل تکلیف نہ کریں۔ میں چائے بھی نہیں پیتی۔ رات کا کھانا ہی کھاتی ہوں"

"جی ہاں بیگم سرکار یہ بس ہی کھانا کھانے کی عادی ہیں۔ شوگر کی شکایت کی وجہ سے مٹھاس اور چائے انہوں نے بالکل ترک کر دی ہے" خاتون عافیہ نے گویا زوناش بیگم کی بات کی وضاحت کی۔

"اچھا لیکن میں اس طرح بغیر کھائے پیئے تو ہرگز نہیں جانے دوں گی۔ اور کچھ نہیں تو مزے پھل ہی کھا لیں" اس کی امی مضطرب ہو کر بولیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ ایک آدھ پھل ضرور چکھ لیں گی بیگم سرکار کیوں ٹھیک ہے نا بیگم سرکار؟" خاتون عافیہ نے ان کی طرف سے پھل کھانے کی آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اوہو! آپ تو ہمیشہ ہمیں اسی طرح شرمندہ کرتی ہیں۔ خیر اب مسز عدیل اتنے اصرار سے کہہ رہی ہیں تو کم از کم پھل تو کھا ہی لیں گے ہم"

اور بس یہ کہنے کی دیر تھی اس کی امی خود اٹھ کر اندر گئیں۔ اور مختلف اقسام کے پھلوں سے بھری ہوئی ٹرالی خود اپنے ہاتھوں سے دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ خاتون عافیہ نے ٹرالی اپنے ساتھ رکھوا کر چھری سنبھالی۔ اور ان کے لیے سیب کاٹ کر ایک پلیٹ میں رکھنے لگیں۔ اور ادھر زوناش بیگم جو اس لمحے میں دنیا کی اپنی تمام تر توجہ کا مرکز بنائے سراپا جیسی ناقدانہ نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انہوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو کیا نام ہے تمہارا۔ ادھر آ کر میرے پاس بیٹھو"

انہوں نے اپنے صوفے سے نزدیک پڑے ایک چھوٹے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ اس سے کہاں پڑھتی ہو کس کلاس میں پڑھتی ہو اور کہاں تک پڑھنے کا ارادہ ہے اسی قسم کے سوالات کرتی رہیں۔ اس کی امی کے اصرار پر انہوں نے بمشکل دو چھلے چھلکے سیب کے بھی یا قاشیں حلق سے اتاریں اور پھر بات کرتے کرتے دفعتاً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور اس کی امی سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"اچھا اب چلوں گی مسز عدیل! مہمان نوازی کا شکریہ!"

"اور خدا حافظ!" خاتون عافیہ نے ان کے ساتھ ہی اٹھ کر گویا لقمہ سا دیا۔ اور اس کی امی ان کے اتنی جلد جانے پر شکوہ تو کیں نہ اصرار ہی انہوں نے بڑی بے دلی سے کہا۔

"اچھا خدا حافظ" اور پھر انہیں کار تک چھوڑنے گئیں مگر وہ جسے زوناش کا متکبرانہ سا انداز بالکل نہیں بھایا تھا اسے سلام تک کرنا گوارا نہ ہوا۔ اور انہوں نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا ہی کب۔

ان کے جانے کے بعد زونی نے سامنے وہ سخت کوفت کے عالم میں جلے پھپھولے پھوڑتی ہوئی

"واہ بڑا اہتمام کیا تھا امی صاحبہ نے ان محترمہ کے لیے سمجھ رہی تھیں کہ ان کے ساتھ مہمانوں کی فوج آئے گی۔ مگر وہ آئیں بھی تو تن تنہا وہ بھی اپنی خادمہ کو ساتھ لے کر"

پھر کچھ کھایا نہ پیا نہ سیدھے منہ کسی سے بات ہی کی۔ اور ایکدم ہی واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ امی انہیں کچھ دیر اور رکنے کے لیے کہہ بھی نہ سکیں۔ اخلاق اور آئی کیٹ سے تو بے چاری نابلد ہی لگتی ہیں۔ ہونہہ اسے کہتے ہیں نام بڑا اور درشن چھوٹے۔ میرے بارے میں بھی نہ معلوم کیا امپریشن لے کر گئی ہیں۔

ظاہر ہے ناپسندیدگی کیا ہے انہوں نے مجھے۔ اور یہ ایک خوش آئند بات ہے"

مگر یہ خوش آئند بات جو اس کے خیال میں ناپسندیدگی کے سلسلے میں تھی۔ پسندیدگی کی صورت تک تبدیل ہو گئی جب ایک روز اس کی امی اور ابو نے صرف سدید کے لیے اپنی منظوری دے دی۔ بلکہ اس کی منگنی کی تاریخ بھی مقرر کر دی۔ جبکہ سدید کے خاندان میں منگنی کرنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ سیدھے سبھاؤ نکاح میں باندھ دیا جاتا تھا۔ مگر سدید کی بڑی بہن نازی کے پیام بھیجی ہیں پہننے کی وجہ سے صرف منگنی پہ ہی اکتفا کیا گیا تھا۔

اس کے والدین نے رائے لینا تو بڑی بات اس اتنے اہم معاملے کے سلسلے میں اس کا عندیہ تک نہیں لیا تھا۔ جبکہ وہ اپنی ماں کو اپنے خیالات اور ارادوں سے آگاہ بھی کر چکی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے بالکل نہیں گردانا تھا اور اس بات پر وہ بھی منہ کھولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس نے شرم و لحاظ ایک طرف رکھ کر اپنی امی سے صاف صاف کہا تھا کہ زوناش آنٹی کی دولت کی چمک نے آپ دونوں کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ دی ہے۔ ورنہ سدید ایک انا پرست شخص ہے۔ بڑی پراسرار سی فطرت کا مالک ہے۔ بڑا ایگریسو ٹائپ۔ بڑا بدزبان، اور بددماغ بندہ ہے۔ اور میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں ایسے سے شادی ہی نہیں کروں گی۔ مگر اس کے باوجود بھی آپ نے میری مرضی کے بغیر منگنی کی تاریخ بھی مقرر کر دی ہے"

اور جواب میں اس کی امی نے پوچھا۔

"تم بار بار یہ جو کہہ رہی ہو کہ تم سدید سے شادی ہی نہیں کرو گی تو کیا تم کسی اور لڑکے کو پسند کرتی ہو۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو صاف صاف بتا دو"

اور امی کی اس بات پر اس کے دل پر ایک دھکا سا لگا۔ وہ آبدیدہ سی ہو کر بولی۔

"امی! کیا آپ مجھے ایسا ہی گیا گزرا سمجھتی ہیں کہ میں اور بھلا کسی اور کو"

"اچھا اگر یہی بات ہے تو سنو بیٹی۔ شادی کرنے سے وہی لڑکیاں انکار کرتی ہیں جن کا کسی سے افیئر چل رہا ہوتا ہے۔ اور لوگوں کی نظر دنیا میں

ان کا کردار مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور میں یہ مر کر بھی
پسند نہیں کروں گی کہ لوگ تمہیں شک کی نظروں
سے دیکھیں۔ سمجھیں تم آئندہ اس سلسلے میں ایک
لفظ بھی زبان سے نہیں نکالنا۔"
اور یوں زندگی کے اتنے اہم معاملے میں
دستور زباں بندی کی مہر لگا دی گئی تھی۔
چنانچہ اب ایک ہی حل رہ جاتا تھا۔ سدید سے
فرار حاصل کرنے کا وہ تھا خودکشی۔ جس کی اس کے
اندر ہمت ہی نہیں تھی۔ چار و ناچار اس نے خود
کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔
ادھر زندگی بھی معمول کے مطابق گزر رہی تھی۔
اور اس کے والدین نے اس معاملے میں خاموشی اختیار
کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ زوبی نے اشارتاً بھی کچھ نہیں کہا
تھا۔ ان ساری باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ
اسے ریجیکٹ کر دیا گیا تھا۔ اور اس خیال سے وہ
بہت مطمئن اور پُرسکون تھی۔ کہ چلو جان کم از کم پاک
اسی طرح بیچارے سجاد احمد اس ہونے کے انسان تھے
مگر یہ غلط اس کی خام خیالی تھی۔ ایک ماہ بعد
ہی گھر کی بے رونقی اور سکے پن میں اچانک ہی
رونقیں اور جلال ہنسی عود کر آئیں۔ امی ابو کی اس
بے جان سی زندگی میں بھی اسی قدر شور شرابا
خوش و خرم اور ہشاش بشاش بھی دیکھا تھا۔
اور زوبی۔ اس کے تو دانت ہی نکلے رہتے تھے۔
وہ ہر وقت اس کے اندر کھسر پھسر ہوتی تھی۔ جس دن
ایک روز اسے بتایا گیا کہ زوناش بیگم نے اس کے
لیے منظوری دے دی ہے اور وہ منگنی کی رسم
ادا کرنے اسی ویک اینڈ پر آ رہی ہیں تو اس کے
پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ بدحواس سی ہو کر
ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اونچی آواز میں بولی۔
"امی اور ابو! اس پاگل شخص سے مجھے منسوب
کر رہے ہیں میری منگنی کرنے والے ہیں اس سے جو
ہے، وہ مجنون ہے۔ اور میں اس کی دیوانگی کا مظاہرہ
اپنی ان آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ وہ کوئی نکیر کے
پیر کی طرح خطرناک ہے۔" امی کو بتا دیا تھا پھر
بھی۔ پھر بھی وہ کہہ رہے تھے پاگل پن سے چیخ کر بولی
کہ زوبی بھی چند لمحے کے لیے دہم سی رہ گئی۔ پھر

ایکدم ہی زور زور سے ہنسنے لگی۔
"واہ بجو! واہ آپ بھی خوب تماشا ہیں ایکدم
ہی مجھے دہلا کر رکھ دیا۔" وہ خوب ہنس لینے کے
بعد بولی۔
"ویسے لگتا ہے جیسے کسی نے جیلسی میں سدید بھائی
کے خلاف آپ کے کان بھر دیے ہیں۔

آپ کو کبھی ان کی کبھی نہیں ملی تا اس لیے بس
آپ سنی سنائی پر یقین کر بیٹھی ہیں۔"
"خیر خیر تم خواہ اس کی کتنی ہی جوتیاں
سیدھی کرو مگر مجھے وہ بالکل پسند نہیں مجھ زوبی بجو
اس کا ور سدا گری بہن کا بھی نہیں۔" وہ بہن کے
پر ستائش انداز پر تاؤ کھا کر بولی۔ غصہ ...
بلکہ خود اپنے کمرے سے نکل کر باہر چلی گئی۔
ان دنوں وہ سخت کوفت میں مبتلا رہتی تھی۔
اس نے کہیں جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ گھر کا بھی کوئی
کام نہیں کرتی تھی بس ہر وقت اپنے کمرے میں
بیٹھی رہتی تھی یہ بھی گویا ایک ادائے احتجاج
تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا اس کے والدین خود
اس کے اتنے اہم معاملے میں اسے کوئی اہمیت
ہی نہیں دے رہے۔ جبکہ اسے یہ بھی یقین تھا
کہ زوبی نے اس کے خیالات اور ایک ایک
بات والدین کے گوش گزار کر دی ہوگی۔ مگر ادھر
ایک خاموشی تھی سب کے جواب میں۔ اس نے
سوچا اگر امی اور ابو میری طرف سے اتنے لاپرواہ
اور بے حس ہو گئے ہیں تو میں خود کیوں نہ ان سے
بات کروں۔ کیونکہ معاملے میں چلتی ابو کی ہی ہے۔
امی تو بس ہاں میں ہاں ہی ملاتی ہیں۔ اور جس دن
وہ اپنے ابو سے بات کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی
تھی۔ اسی روز اس کے ابو خود اس کے کمرے میں
چلے آئے۔ اور آتے ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر
اس کی خیریت پوچھی اور پھر۔ یوں گویا ہوئے۔
"دیکھو بیٹی! تم سے میری بہت سی امیدیں
وابستہ ہیں اور والدین کی امیدیں بیٹیوں سے کچھ
ایسی ہی وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ پڑھیں لکھیں اور
گھر کے کام کاج میں سگھڑ ہو جائیں اور پھر اپنے گھر کا

کہ سدید میں جہاں بہادر وہ ایک کامیاب و خوشحال
بلکہ پُرآسائش زندگی بسر کرے گی۔ اور والدین اپنی
اولاد کا کبھی بُرا نہیں چاہتے اور میں تو تمہارے
مستقبل کو تابناک دیکھنے کا سب سے زیادہ خواہشمند
ہوں۔ اور اپنی اس خواہش کے مطابق تمہاری ناپسندیدگی
کے باوجود میں نے تمہارے لیے سدید کا پرپوزل
منظور کر لیا ہے۔ زبان دے چکا ہوں اس لیے
پلٹ بھی نہیں سکتا۔ اس لیے میرے اس فیصلے
کو خوشی سے منظور کر لو۔ پرسوں شام ہوٹل سنو ڈیوں
میں تمہاری منگنی کی رسم ادا ہونا قرار پائی ہے۔ خدا
تمہیں یہ رشتہ مبارک کرے اور سدا سکھی رکھے۔"
اتنا کہنے کے بعد اس کے سر کو آہستہ سے
تھپتھپا کر اس کے ابو اس کے کمرے سے باہر نکل
گئے۔ اس کے پیچھے اس کی امی بھی مسکراتی ہوئی
ہوئی باہر چلی گئیں۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہر کو
تھپتھپانے میں ست سے آنسو اس کی گود میں آگرے
ہیں۔ بہرحال حکم حاکم کے مصداق اسے ابو کے فیصلے
پر سر جھکانا ہی پڑا۔

ٹھیک ایک ہفتے بعد۔ وہ دن بھی آ گیا
جس روز اس کے خیال میں اس کے والدین اس
کی قسمت سدید کے ساتھ پھوڑنے والے تھے۔
تیاریاں تو کئی روز سے ہو رہی تھیں۔ یعنی گھر کو
مزید سنوارا اور سجایا جا رہا تھا۔ زوبی اور اس
کی امی اپنے اپنے ملبوسات اور زیورات تیار کرنے
میں لگی ہوئی تھیں۔ یا پھر زوناش اور سدید کی
بہنوں کے لیے پہناوے تیار کرائی جا رہی تھیں
حالانکہ منگنی پر پہناونیاں دینے کا کوئی دستور
ہی نہ تھا مگر جہاں دولت کی ریل پیل ہو تو ایسے
دستور یا رسوم خود ہی ایجاد کر لیے جاتے ہیں۔
پہناونیوں کے ساتھ سب کے لیے زیورات کے
سیٹ بھی بنوائے گئے تھے۔ اصل میں اس کے والدین
سب پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ بھی کسی سے
کم نہیں ہیں۔
سیلبریشن ایک فائیو اسٹار معروف ہوٹل
میں ہوا تھا۔ منگنی کا جوڑا زعفرانی اور کاہی رنگ کے

انتخاب سے بنایا گیا تھا وہ بھاری کام سے لیس
تھا۔ زیورات کے تین سیٹ آئے تھے۔ تینوں
بہت خوبصورت اور بیش قیمت تھے۔ کانوں میں جو
پہنائے گئے تھے۔ بالکل گھیرتے ہوئے تھے
تھیں کو بند سے بہت نازک مگر نہایت خوبصورت
تھا۔ سب کچھ اس کا ساتھ تھا۔ بس اس کا
ایک ماہر بیوٹیشن سے تیار کرایا گیا تھا۔ اور اس میں
حسین لگ رہی تھی کہ جو دیکھتا بس دیکھتا ہی
رہ جاتا۔ اس کے مقابلے میں اس کے والدین نے تو
سدید کو صرف سوٹ اور انگوٹھی کا تحفہ دیا تھا۔
جس پر سدید خوش ہو گیا تھا مگر سدید نے بہت عمدہ
اور قیمتی تھا۔ سوٹ بھی کپڑا اس کا بھی بہت ہی
تھا کہ اس نے بہت ہی پُرکشش اور شاہانہ انداز
میں پہنا ہوا تھا۔
"بڑی لگ رہی ہیں۔ دولہا اس کے مقابلے میں تو لڑکا بہت گرا ہوا سا
نارمل لگ رہا ہے۔"
"ہاں مگر مجھے تو سردار صاحب کی گڑیا جیسی
والیاں بالکل پسند نہیں شاید اس لیے انہوں
نے اس لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔"
"اچھا مگر یہ بھی سنا ہے کہ لڑکی والے ان
لوگوں کی ٹکر کے نہیں ہیں۔"
"ہاں ٹھیک سنا ہے۔ مگر لڑکے کو جب مڈل
کلاس کی لڑکی پسند آگئی ہے تو پھر کوئی کیا کر سکتا
ہے کہ زندگی تو اسے گزارنی ہے لڑکی کے ساتھ۔"
اور یہ سرگوشیاں سن کر وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔
پہلے ہی شدید احساس کمتری میں مبتلا تھی اب
ان باتوں کے بعد تو اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر وہاں
سے بھاگ جائے۔ اور وہ ایسا قدم اٹھا بھی لیتی
مگر سدید نے اسے اس ارادے میں کامیاب
ہونے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ بڑی دیر سے کچھ
فاصلے پر کھڑا ماں سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ
اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر
بھاگنے کے لیے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو وہ لپک
کر اس کے قریب آ گیا۔
"آپ کی نگاہیں شاید مجھے ڈھونڈ رہی ہیں

"تو سمجھیے میں خود ہی حاضر ہو گئی ہوں۔"
اس نے اتنی زور سے کہا کہ قریب بیٹھے ہوئے لوگ ہنسنے لگے۔ اور وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو کر رہ گئی۔

"ویسے آج تو خوشی کا موقع ہے آج تو آپ رسم کے بعد میرے ساتھ باہر چلیں گی نا؟" اس نے قریب بیٹھ کر دھیمی آواز میں دونیا سے پوچھا۔ تو وہ کسمسا کر چہرا جھکائے جھکائے بولی۔

"نہیں قطعی نہیں ——" جواب دینے کا انداز بھی بہت تیکھا سا تھا۔

"کیوں، کیوں نہیں ——؟" اس نے اس کے حسین چہرے پر نظریں مرکوز کیے کیے پوچھا۔

"بھئی صاف ظاہر ہے ابھی تو صرف منگنی ہی ہوگی نا۔"

"ہاں اور یہ مشرق ہے۔ یہاں ایکدم ہی آپس میں اتنا فری کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے انکار کر رہی ہیں شاید۔"

تب ہی قریب ہی سے کچھ نسوانی آوازیں سنائی دیں تو اس نے گھوم کر ایک لمحے کے لیے پیچھے ایک نظر ڈالی اور اونچی آواز میں بولا۔

"بھئی کمال ہے یہاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے ساتھ ہی چپکے بیٹھے ہیں۔"

"ہاں تو رواج کے مطابق منگیتر سے آہستہ سے بات کرنی چاہیے۔ یوں پیچھے ڈھول کی طرح تو نہیں بجنا چاہیے۔" اور اس نے گھوم کر کہنے والی کی طرف دیکھا اور سر ہلا کر چیلنج کرنے کے سے انداز میں بولا۔

"ہوں تو یہ تم ہو بھئی۔ ٹھیک ہے میں تم کو بھی دیکھ لوں گا۔" پھر اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

"یہ میری بہت شریر کزن ہے —— جو میری ذرا سی بات پکڑنے کا موقع تلاش کرتی رہتی ہے۔"

ابھی اس نے فقرہ بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ خاتون عافیہ نے آکر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"سرکار، بیگم خاصی برہم ہیں آپ کے یہاں بیٹھنے پر اور آپ کو فوری طور پر طلب فرما رہی ہیں۔"

خاتون عافیہ نے چونکہ چپکے سے سدید کے کان میں کہا تھا اس لیے دونیا کچھ بھی نہ سن سکی۔ اور وہ یوں آٹو میٹک انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا جیسے خاتون عافیہ نے اس کی کوئی کل دبا دی ہو۔ مگر ماں کے پاس پہنچ کر ان سے تھوڑی دیر بحث کرنے کے بعد ماں کا ہاتھ تھام کر اس نے انہیں اسی صوفے پر لا کر بٹھا دیا۔ جس پر دونیا دلہن کی طرح بنی سنوری چہرا جھکائے بیٹھی تھی۔ ماں نے سدید کا ہاتھ پکڑ کر "تم بھی ——" اسی صوفے پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور شاید پہلی بار نظر بھر کر دونیا کی طرف دیکھا۔ اور پھر بیٹے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

خاتون عافیہ ایک نہایت خوبصورت طشت میں پہلے سے ہی زیورات کا سیٹ سجا کر لا چکی تھیں۔ انہوں نے اشارے سے وہ سیٹ منگوایا اور اس میں سے ایک نازک سا سیٹ نکال کر دونیا کو پہنایا اور پھر انگوٹھی سدید کے ہاتھ میں دے کر بولیں۔

"لو بھئی یہ منگنی کی انگوٹھی تم اپنی منگیتر کو خود ہی پہنا دو۔"

اور اس نے بے تابانہ منگنی کی انگوٹھی ماں کے ہاتھ سے لے کر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دونیا کا نازک اور ٹھنڈا یخ ہاتھ پکڑ کر سیدھے ہاتھ کی انگلی میں پہنا دی۔ اس کے انگوٹھی پہنانے کے بعد دونیا کی والدہ نے بھی رسم پوری کرنے کی غرض سے ہیرے کی بیش قیمت انگوٹھی سدید کو پہنائی۔ پھر کچھ دیر بعد ڈنر سرو ہو گیا۔ اور تقریب کے اختتام تک وہ اس کے سر پر ہی سوار رہا۔ اور طرح طرح کے چٹکلے چھوڑتا رہا۔ مگر اس کے کان اس کی کزنز کی قیاس آرائیوں کی طرف لگے رہے جو وہ اس کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔

"اب خدا کرے سدی کو عقل آجائے۔"

"خیر، عقلمند تو وہ بہت ہے ہاں البتہ وہ جو بچپنا سا ہے نا اس کے مزاج میں اسے اب ختم ہو جانا چاہیے۔"

"ارے نہیں۔ بچپنا کیسا ہی از ویری ایلیگنٹ اینڈ اگریسو ٹائپ۔ بس اپنی ہی سنانے کا عادی ہے۔ اور غصہ تو جیسے ناک پر رکھا ہے۔"

"اس کی یاد نہیں وہ جو اس کا پالتو کتا تھا ڈینی۔ وہ اپنی زخمی ٹانگ کی وجہ سے تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ بس اتنی سی بات پر اس نے روزی کو شوٹ کر دیا تھا۔"

"ہاں جنونی سا ہے تو یہ بھی بات۔ مگر اب خدا کرے اپنی منگیتر دونیا کے ساتھ خوش رہے۔"

"خیر منگیتر ہونے کی حد تک تو وہ اچھا ہے اصل معاملہ تو شادی کے بعد شروع ہوگا جب وہ اس کی بیوی بنے گی۔"

"ارے چھوڑو۔ وہ جانے اور اس کی منگیتر ہمیں اس سے کیا غرض؟" کسی لڑکی نے کہا تو سب یک زبان ہو کر بولیں۔

"ہاں واقعی۔ ہمیں کیا وہ جو کچھ بھی کرے۔"

پھر وہ ساری لڑکیاں باتیں کرتی ہوئی کہیں غائب ہو گئیں۔ مگر سدید کے بارے میں ان کے خیالات اور باتیں سن کر وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہی نہیں ہراساں بھی ہو گئی تھی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے سوچ لیا تھا کہ منگنی کے اس رشتے کو وہ توڑ کر رہے گی۔ کچھ لوگ خواہ مخواہ ہی کسی کے بارے میں جو نکتہ چینی کرتے ہیں تو اس میں اس کی اچھائیوں اور خوبیوں کو بھی حذف کر جاتے ہیں یا دوسرے معنوں میں اس کی ساری خوبیوں اور اچھائیوں کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ یا پھر دوسرے کو نگاہوں سے گرا دیتے ہیں۔

تنہا ان لڑکیوں کی باتوں نے جن میں چند سدید کی کزنز بھی تھیں سدید کو دونیا کی نگاہوں سے تو کیا دل سے بھی بالکل گرا دیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ منگنی کے بعد علی الاعلان سب سے کہتی تھی کہ وہ منگنی کے اس رشتے کو تسلیم ہی نہیں کرتی۔ زونی سے تو اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر مدحت کا فون آئے تو اسے بھی بتا دینا۔ زونی نے چھوٹی بہن ہونے کے باوجود اسے بہت سمجھایا بجھایا تھا۔ مگر زونی کی کسی بات کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی۔

سدید نے بھی ہر ممکن کوشش کر لی تھی کہ ایک بار ہی وہ کسی طرح اس سے مل لے۔ مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تو بس اس روز بہت ہی اتفاقی طور پر مگر وقتی طور پر وہ اسے بچا کے یہاں جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ گھر لے گیا تھا مگر بہرحال وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا تھا۔ مگر چونکہ اس کی نیت اور کردار صاف تھا اس لیے وہ اسے کوئی زک پہنچائے بغیر گھر چھوڑ گیا تھا۔ اور اس نے بھی اپنے تئیں دل میں اس بات کا اعتراف کیا تھا۔ اس کے باوجود بھی اسے اس کا یہ زبردستی اپنے گھر لے جانے کا جبری اقدام حد درجے ناگوار گزرا تھا۔ بلکہ اس حد تک ناگوار گزرا تھا کہ وہ کسی طور پر بھی اسے منگیتر تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی۔

جبکہ اس روز کے بعد وہ بارہا اسے فون کر چکا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ ریسیور رکھ کر اور کبھی جواب دیے بغیر ریسیور رکھ دیتی تھی۔ جبکہ اس نے زونی کی معرفت یہ پیغام بھی بھجوایا تھا کہ وہ فون بھی اسی لیے کرتا ہے۔ اصل میں تو وہ اس سے کوئی بہت ہی ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔ اور تو اور مدحت نے بھی اسے لندن سے کئی بار فون کیا تھا مگر وہ ریسیور زونی کے ہاتھ میں دے کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی تھی۔

ماں وقتاً فوقتاً اسے سمجھاتی رہتی تھیں۔ سدید کی تعریفیں کر کر کے اپنا منہ خشک کرتی تھیں۔ اور ساتھ کے ساتھ یہ تنبیہ بھی کرتی رہتی تھیں کہ یہ ان کی عزت کا معاملہ ہے اور بیٹی کی لاج سے رکھنی ہے۔

منگنی کے بعد تو اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ سسرال کے والدین اس کی ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھتے تھے۔ اور اس کے اتنے چاؤ اور لاڈ کرتے تھے کہ کبھی کبھی وہ خود کو بہت اونچا تصور کرنے لگتی تھی۔ اس پر اس کے لیے یہ بات بڑی اطمینان بخش تھی کہ منگنی کے بعد سدید کے یہاں سے کسی نے آکر جانا تک نہ تھا۔ بس دوسرے تیسرے روز وہ خود ہی فون کر لیتا تھا جسے ہمیشہ زونی ہی ریسیو کرتی تھی۔ کراچی میں موجود ہوتا تو پھولوں کے گلدستے اور کیک وغیرہ کا ڈھیر لگا دیتا تھا۔ زونی اس کے بھیجے

ہوئے پھولوں کو گلدانوں میں سجاتی اور گھر کا چپہ چپہ پھولوں سے بھر دیتی۔ ماں سے کہہ کر اس کے کمرے میں بھی پھول بھجواتی۔ اس پر ماں کا ہر وقت سدید کی تعریفوں میں رطب اللسان رہنا۔ اسے اپنی اہمیت کا کچھ زیادہ ہی احساس دلا گیا تھا۔

اس کے مزاج میں ایک طنطنہ اور نخوت سی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سدید جیسی کسی کے سامنے بھی کبھی کمزور نہیں ہوگی۔ بلکہ سدید کو ہر طریقے سے اپنے سامنے جھکا کر رہے گی۔ خواہ وہ اپنے جنون میں اس کی جان ہی کیوں نہ لے لے۔ اس نے انتقام کے موضوع پر بھی ایک فلم دیکھی تھی۔ جس میں انتقام کی آگ میں جلنے والے شخص نے اس عورت پر اپنی اتنی محبتیں نچھاور کی تھیں کہ وہ عورت تو عورت فلم بینوں نے بھی یہی سمجھا تھا کہ اس شخص کو اس عورت سے سچی محبت ہو گئی ہے۔ مگر آخر میں وہ اس عورت کو موت کے گھاٹ اتار کر اس سے اپنا انتقام لے کر ہی رہا تھا۔ جبکہ اس عورت کا قصور صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ہی کسی دوسرے شخص سے محبت کرتی تھی۔ اور اس نے اسے دھوکا دینے کے بجائے صاف صاف بتا دیا تھا۔ مگر وہ اس کی جان کا دشمن بن گیا تھا۔ اس نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ کچھ لوگ پیدائشی طور پر کرمنل مائنڈ ہوتے ہیں۔ اور بلاوجہ ہی دوسرے کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں میں سدید کا بھی شمار ہوتا ہے۔

اصل میں اس کا دل کسی طرح یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا تھا کہ سدید اس سے سچی محبت کرتا ہے۔ مگر وہ اس کی ساری مہربانیوں اور محبت کو ایک ڈھونگ سمجھتی تھی۔ ویسے بھی ہر عقل مند باشعور اور پڑھا لکھا انسان اپنے اردگرد پھیلے حالات اور واقعات سے بھی بہت کچھ اخذ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اس کا خیال تھا کہ سب سے پہلے تو دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر حسین اور دولت مند لڑکی موجود ہے جو اعلا ڈگریوں کی حامل ہے اور سدید جیسے دولت مند شخص کو ایسی ہی کوئی ہر صفت موصوف لڑکی بڑی آسانی سے مل سکتی ہے۔ پھر آخر وہ مجھ پر ہی کیوں مر مٹا ہے۔ یہ مہربانیاں۔ یہ عنایتیں تحفوں کی یہ بھرمار۔ یہ ابو کو بینک میں ترقی دلوانا۔ بیٹے کا اعزاز اور یہ ہمارے گھر میں روپے پیسے کی ریل پیل۔ یہ اتنی منگنی بے ثبات اور خود غرض دنیا میں بلا کسی وجہ اور غرض کے تو نہیں ہو سکتا۔ صاف ظاہر ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ انتقامی جذبے کے تحت ہی ہو رہا ہے۔

جب سے تاریخ مقرر ہوئی تھی۔ سسرال والے ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی رشتے کے ساتھ آ دھمکتے۔ اور وہ بالکل ایسا پوز کرتی جیسے انتہائی روایتی مشرقی لڑکی ہو۔ سر پر دوپٹہ ڈال کر چہرا اور نظریں جھکا کر بیٹھ جاتی۔ اور جواب بھی ہوں ہاں میں دیتی۔

شادی کی تیاریاں بھی بڑی شد و مد سے ہو رہی تھیں۔ گھر کا تو نقشہ ہی پلٹ گیا تھا۔ والدین اور بہن کے مزاجوں میں نخوت آمیز نزاکت سرایت کر گئی تھی۔ جہیز بھی ایسا تیار ہو رہا تھا کہ وہ ششدر سی سوچتی رہ جاتی کہ اس کے باپ کے پاس اچانک اتنی دولت کہاں سے امنڈ آئی۔ جبکہ اسے یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے ابو نے ان دونوں بہنوں کے لیے بینک میں الگ الگ پیسہ جمع کر رکھا ہے۔ مگر وہ سمجھتی تھی کہ یہ اتنا کروفر بھی سدید کے مرہون منت ہوگا۔

شادی کی اتنی زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں اور وہ تھی کہ اب بھی اس شادی کو رکوانے کی تدبیریں کر رہی تھی۔ آسرا اور اس کے گروپ کی چند لڑکیاں ہر دوسرے تیسرے روز اس سے ملنے آجاتی تھیں اور ان کے سامنے وہ یہی ظاہر کرتی کہ وہ اس شادی سے چنداں خوش نہیں ہے۔ یوں بھی تقریباً سب سہیلیوں کو یہ بات معلوم تھی۔ مگر کوئی بھی اس بات کو اہمیت نہیں دیتا تھا۔ آخر موقع پا کر ایک روز اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر ملتجی لہجے میں آسرا سے کہا۔

"آسرا پلیز تم ہی میرے خیالات اور احساسات کا خیال کر لو۔ اتنے عرصے تک اگر سدید کا ذکر بھی میرے سامنے آ جائے تو میں اس پر کبھی اعتبار نہیں کروں گی۔ دیکھو فرینڈ یہ پوری لائف کا معاملہ ہے۔ اتنی ناپسندیدگی کے جذبے کے ساتھ میں کیونکر اس سے نباہ کر سکوں گی۔ پلیز میری پیاری سی دوست تم کسی طرح میرے خیالات اس شخص تک پہنچا دو۔ بلکہ صاف صاف کہہ دو کہ میں اس رشتے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔ اگر مجھ پر زبردستی کی گئی تو میرا اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

اور آسرا نے محض اس کی خوشی کی خاطر یہ تو کہہ دیا کہ اچھا میں پوری کوشش کروں گی تمہارے اس پیغام سمیت تمہارے خیالات اس تک پہنچانے کے لیے۔ مگر میں ایک بار پھر یہی کہوں گی کہ تم حالات سے سمجھوتہ کرنے کی خود میں ہمت پیدا کرو۔ اور آسرا نے تو اپنے تئیں دوستی کا حق ادا کر دیا۔ بڑے بہانے سے زوبی سے سدید کا فون نمبر لیا اور اسے فون کر کے ہر بات صاف صاف بتا دی۔ جواب میں طویل سا ہنکارا بھرنے کے بعد سدید نے کہا۔

"ہوں۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون کس کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ ویسے میں بھی کسی کی عاشقی میں مرا نہیں جا رہا۔ اصل میں تو دونوں کے پیرنٹس (والدین) کو ہی جلدی تھی۔ وہ جلد از جلد یہ بھاری بوجھ اتارنا چاہ رہے تھے۔ میں نے تو یہ احسان ہی کیا کہ اپنے کاندھوں پر اس بوجھ کو اٹھا لیا۔ ویسے پیغام پہنچانے کا شکریہ۔"

اس بے تکے سے جواب پر آسرا اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ اس نے سارا نقشہ دونیا پر اتارا اور اسے خوب کھری کھری سنائیں۔ اور دونیا اپنے آنسو پی کر رہ گئی۔ وہ جو بلند بانگ دعوے کرتی تھی کہ عورت کے حقوق یہ ہوتے ہیں یا وہ ہوتے ہیں۔ اور پڑھی لکھی لڑکیاں فرسودہ روایات اور جہالت آمیز رسموں کو اپنے پیروں تلے روند سکتی ہیں وہ سب بھی دھرے کے دھرے رہ گئے۔

[illegible] پھولوں اور بڑی دھوم دھام سے [illegible] کی طرح سجایا گیا۔ اور وہ رخصت [illegible] کے مطابق [illegible] سے باہر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے تو اس کے [illegible] اور جہاں تک [illegible] کے والدین نے [illegible] اور دلہن کو [illegible]

بہرحال پھر اسے قرآن کریم کی چھاؤں میں [illegible] تک پہنچایا گیا۔ [illegible] پھر رسومات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جن میں خاندان کی بزرگ خواتین ہی شامل تھیں اور اسی طرح رات کے دو بج گئے۔ پھر سدید کے لیے آوازیں پڑنے لگیں کہ وہ کہاں ہے۔ اور اب تک کیوں نہیں آیا کیونکہ کچھ رسمیں اس کی موجودگی میں بھی ادا کرنی تھیں۔ وہ آتے ہی بڑی بیزاری سے بولا۔

"بھئی کیا ضرورت تھی مجھے بلوانے کی۔ اتنا اچھا گیم جا رہا تھا کہ سارا موڈ آف کر دیا۔"

"ارے یہ گیم کھیلنے کا کون سا موقع ہے۔ آج تو تمہاری سہاگ رات ہے۔" ایک معترض خاتون نے جو غالباً سدید کی قریبی عزیزہ تھیں کچھ ایسا جملہ کہا کہ لڑکیوں نے مسکراتی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

"ٹھیک ہے پھر آپ سب مہربانی سے باہر تشریف لے جائیں۔ اس کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچوں گا کہ یہ کونسی رات ہے۔"

اس کے پیچھے سے جو زیب تن ہوئی تھی۔ سب خواتین اس کی بات کو مذاق پر محمول کر گئیں۔ ہوئی باہر نکل گئیں۔ تب سدید نے باہر جاتی ہوئی پھوپھو میں تاجور کو پکار کر کہا۔

"ارے ستو تجوری" وہ تاجور کو لاڈ میں تجوری کہتا تھا۔ اور تاجور فوراً ہی ایڑیوں کے بل اس کی طرف گھومی۔

"بس وہ نیا عدیل جو اس لباس میں کسی اسٹیج آرٹسٹ کا رنگین کردار لگ رہی ہیں۔ ان کا ڈریس فوراً چینج کرا دو۔ میں نے اس موقع کے لیے ان کا ایک خاص ڈریس بنوایا ہے۔ یہ ساتھ والے پارلر میں اس لباس سمیت مس سونیکا ویں ان کا انتظار کر رہی ہیں۔

بس زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں یہ لباس تبدیل کرا کے انہیں لے آؤ۔ پھر وہ میرے عہد و قول سے نکل لیں گی۔"

تاجور کچھ دیر تو خاموش کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر وہ نیا نے مخاطب ہو کر بولی۔

"یہ جو سدید بھائی جان کہہ گئے ہیں آپ نے سن لیا ہوگا بھابی۔ پلیز اب آپ اٹھنے کی زحمت گوارا کریں اور جلدی سے میرے ساتھ پارلر میں چلیں۔"

اور اس عجیب و غریب صورت حال پر اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اٹھنے سے صاف انکار کر دے۔ وہ تھکی تھکی سی اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

"جلدی پلیز... ورنہ خواہ مخواہ میں سدید بھائی کی ڈانٹ سننی پڑے گی۔ یوں بھی وہ ڈریس ... کرتا ہے شاید بھائی آپ کو اپنے خاص دوستوں سے ملانا چاہتے ہیں تا پلیز جلدی اٹھیں۔" تاجور بظاہر تو بڑی رسانیت سے اندر میں بات کر رہی تھی مگر اس کا چہرہ اس کے چہرے کے تاثرات اس کی اتنی بڑی حیرت کو چھپانے سے بھی اسے قاصر ہی تھا۔ انکار یا ضد کرنے کی صورت میں وہ اگر ایک وقت کے سامنے اس کی تذلیل ہی ہوتی۔ اس سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔

یوں ہی رخصت کرا کے گھر آتے آتے گئے
اس کا لہجہ
اس کا رویہ
اس کا انداز

حتیٰ کہ وہ والہانہ پن جو دو نیا ہر لمحہ بھی اس کی آنکھوں میں عود کر آتا تھا۔

اس کی گفتگو میں چھلکتے وہ شوخ و شنگ فقرے جو دوسروں کو ہنسنے اور ہنسانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ یہ سب مجھے ماند پڑ گئے تھے۔

حتیٰ کہ جب اسے رخصت کرا کے گھر لایا گیا تھا تو اس کی رشتے دار خواتین نے اسے گھیر لیا تھا کہ اپنی دلہن کو گود میں لے کر گھر کی دہلیز پار کراؤ۔ تو وہ کانوں کی لووں کو چھو کر بولا تھا۔

"نہیں بھئی میں نے بیوی و شوہر جیسی محبت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ تو پھر میں دو قدم بھی اسے کیسے اٹھا سکتا ہوں۔" اسے یہ بات تو بہت عجیب لگی تھی مگر وہ اس کے لہجے میں پنہاں طنز اور نفرت کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ ویسے بھی اس کی نفرت کے احساس سے ہی اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

جب تاش کھیلتے کھیلتے اسے کمرۂ عروسی میں پہنچا دیا گیا تو آنے والی انجانی اور اجنبی ساعتوں کے خوف سے اس کا دل بلیوں اچھل کر یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے حلق میں آن اٹکا ہو۔ وہ تو کچھ قدرت کو ہی اس پر رحم آ گیا کہ وہ اسے ڈریس تبدیل کرانے کا حکم صادر کر کے کمرے سے دفعان ہو گیا تھا۔

لیکن اب پورے ایک گھنٹے کی محنت شاقہ کے بعد مشرقی طرز کے جوڑے کو اتار کر ــــــ ولایتی دلہنوں کا لباس۔ میک اپ اور ہیئر اسٹائل تبدیل کرانے کے بعد تو وہ اندر ہی اندر سخت پریشان ہو رہی تھی۔ جبکہ بدلے ہوئے دلہن کا لباس اس پر غضب ڈھا رہا تھا۔ تاجور تو اسے اس نرالی سج دھج میں دیکھ کر مبہوت سی رہ گئی تھی۔ حتیٰ کہ وہ تینوں ــــ فارز شاخانیں بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان

نہیں۔ اس وقت پارلر میں کس کو آنے کی اجازت نہیں ملی تھی شاید اسی لیے تاجور ہی وہاں موجود تھی۔ تب ٹھیک رات کے ساڑھے تین بجے سدید پارلر میں وارد ہوا۔ اور اس کی نئی سج دھج دیکھ کر وہ بھی مبہوت سا کھڑا رہ گیا۔ پھر اس نے ایک نظر فارز شاخانوں پر ڈالی جو فوراً ہی پارلر سے باہر نکل گئیں تو وہ تاجور سے مخاطب ہو کر بولا۔

"کیوں تجوری! کیا داد نہیں دو گی اپنے بھائی کے انتخاب کی؟"

"کیوں نہیں بھائی جان! اب ہی کیا میں تو ترستی ہی رہے آپ کی چوائس کی داد دیتی رہی ہوں۔ بھابی اس لباس کے خوبصورت سفید لباس میں کوئی ویسٹرن شہزادی لگ رہی ہیں۔ میں تو کہتی ہوں کہ وہ جو لہنگا اور جاری کئے گئے تھے سرخ لباس پہنانے کے بجائے انہیں شروع ہی سے یہ لباس پہنانا چاہیے تھا۔" تاجور اپنے بھائی کے سلیکشن کی بھرپور داد دیتے ہوئے بولی۔

"اچھا بس، اب زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ کافی مشورے دے چکی ہو۔ اور اب تم جا کر آرام کرو۔ پوری رات ہو گئی ہے تمہیں جاگتے ہوئے۔" اور اس کے بات پلٹتے ہی تاجور نے آہستہ سے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔

"O.K. WISH YOU A HAPPY LIFE"

کہتی ہوئی پارلر سے باہر نکل گئی۔

تب وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے حجلۂ عروسی میں لے آیا۔ جہاں اس نے پہلے سے خوفناک کیمرے فٹ کر رکھے تھے۔ جوں ہی وہ دونوں کمرے کے اندر داخل ہوئے، وہ آپ ہی آپ حرکت میں آ گئے۔ خود اس نے بھی ایک کیمرہ اٹھا لیا تھا اور ہر زاویے سے اس کی تصویریں لیتا رہا تھا۔ اسی اثنا میں وہ پتھر کا مجسمہ بنی تصویریں کھنچواتی رہی۔ اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ یہ سلسلہ تقریباً آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔ تب کہیں جا کر کیمروں کی چکاچوند بند ہوئی۔ وہ ڈریسر کے پاس دیوار سے لگی خاموش کھڑی تھی وہ اس کے نزدیک آ کر بولا۔

"تمہاری تو آنکھیں کھلی ہیں اور تمہیں دو دن ...

کی مسلسل پریکٹس کرنے کا بھی بہت شوق ہے تم کم از کم اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ لو۔" مگر وہ ساکت اور خاموش کھڑی رہی جیسے اس کے عجیب و غریب انداز پر پہلے ہی حیران کن موڈ میں آ گئے ہو۔ جیسے کچھ اسی طرح لرز رہا تھا کہ اسے وہ اپنا آپ نکال باہر کر دے اور اس کے ساتھ کچھ بد سلوکی کرے۔

"تم واقعی بڑی ضدی ہو۔ مگر یہ میری ہے تم اپنے عکس میں بھی اپنی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔ اس عجیب سے حسن کا جلوہ دیکھنے کی مجھے تمنا تھی، تھی تو پھر اف اس کی اس خوفناک بات سے اس کا دل ڈوبنے لگا اس نے ہولے ہولے پلکیں اٹھائیں اور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ تو اپنا روپ دیکھ کر وہ حیران ہو کر رہ گئی۔ کاش کوئی خوشنما آئینہ گواہی ہوتا تو وہ اپنا یہ حسن ہر حال دیکھ کر رکھتی۔"

"اور تو کیا یہ میں بھی ہوں۔ میں دو نیا عمیل۔ مگر وہ میں اس کے عشق میں اس طرح سے جکڑا ہی گیا تھا۔ اس لیے وہ خود کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھ سکی۔"

"ہاں اب بتاؤ اب کیا سلوک روا رکھوں تمہارے ساتھ۔ اس روز تو تم نے اپنے گستاخانہ خیالات مجھ پر آشکار کیے تھے جبکہ میں محض تم سے بات کرنے کی غرض سے تمہیں یہاں لایا تھا۔ مگر تم نے میری نیت پر اس روز بھی شک کیا اور مجھ کو کرتی رہیں۔ تم نے ہر ایک سے میری برائی کی ہے۔ بلکہ میرے بارے میں دو سروں کا امپریشن خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ تم نے اپنی فرینڈز سے بھی کہہ دیا کہ اگر تم سے میری شادی ہو بھی گئی تو تم مجھے کبھی اپنا شوہر تسلیم نہیں کرو گی ــــ بی کوز آئی ایم اے مین آف وجنوٹی (بہرحال) میں جو کچھ بھی ہوں اب تمہارا شوہر ہوں۔ تمہارا جائز وارث۔ اور اب میں تم سے اپنے شوہر ہونے کا پورا پورا حق وصول کروں گا۔ چلو آرام سے بیڈ پر بیٹھ جاؤ۔ اس طرح کب تک کھڑی

رہ جو گی۔"
مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہیں ہوئی۔ داخلی دروازے کی طرف اس طرح دیکھتی رہی۔ جیسے ایک ہی جست میں وہ دہلیز پار کر جائے گی۔ تب وہ زبردستی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اور اسے دھکیلتا ہوا بیڈ کے قریب لایا اور ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر گرا دیا۔

اس نے پوچھٹ پکڑی ہی تھی جب وہ اچانک ہی اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور خوبصورت مخمل کمبل کو اس پر ڈال کر اس نے کہا۔

"ڈریسنگ روم میں جو وارڈ روبز ہیں ان میں ہر قسم کی تمہاری ضرورت کی چیزیں رکھی ہیں۔ اور ہاں۔ اب یہ تین کمرے ہی تمہاری آماجگاہ۔ تمہارا مسکن ہوں گے یہاں سے نکلنے یا کسی کو فون کرنے کی کبھی کوشش مت کرنا۔ تم نے یہ مشکلات خود اپنے ہاتھوں سے کھڑی کی ہیں۔ بہرحال اب تم ایک نامعلوم عرصے کے لیے آئی ہو جب تک تم رشتوں کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھنے کا شعور اپنے اندر پیدا نہیں کرو گی۔ اسی طرح اس خوبصورت جیل خانے میں سڑتی رہو گی۔ یوں بھی ہمارے خاندان میں طلاق دینے کا کوئی رواج ہی نہیں۔ اور اگر ہوتا بھی تو تب بھی میں تمہیں ساری عمر یونہی سڑاتا۔ چنانچہ تمہیں بھول کر بھی طلاق کے بارے میں نہیں سوچنا۔ انڈر اسٹینڈ ویسے بھی تم کوئی ناسمجھ اور جاہل ان پڑھ عورت نہیں ہو۔ بلکہ ویل ایجوکیٹڈ ہو۔"

اتنا کہہ کر وہ اتنی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا کہ دونوں خودکار دروازے آپ ہی آپ بڑی طرح ٹکرا گئے۔ اور وہ اس کی ساری باتیں سننے کے بعد بڑی ہٹ دھرمی سے دل ہی دل میں یہ کہتی رہی کہ ایسا کبھی نہ ہو گا۔ میں مر کر بھی تمہیں اپنا خاوند تسلیم نہیں کروں گی۔

پھر وہ تکیے میں منہ دے کر اس قدر روئی کہ پورا تکیہ بھیگ گیا۔ نہ معلوم کب تک روتی رہی کہ کوئی دس بجے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ گھر کی ہی کوئی خادمہ ہو گی۔ اپنی حالت زار پر نظر ڈال کر جلدی سے بھاگ کر ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔

ابھی کوئی موزوں لباس ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ باہر سے ملازماؤں کی کھسر پھسر سنائی دی۔ جو دو تین بار دستک دینے کے بعد اندر آ گئی تھیں۔

"دلہن سرکار شاید غسل کر رہی ہیں۔ جب تک ہم بیڈ کی صفائی کر ڈالو۔" ایک نے کہا۔ تو دوسری بولی۔

"اور تو سب ٹھیک ٹھاک ہے تم نے دیکھا اچھی طرح۔"

"ہاں بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔" تیسری ہنس کر بولی۔ اور ان کی باتیں سن کر ان کے سامنے آتے ہوئے اسے بڑی طرح شرم آئی۔

پھر وہ رونے کے ساتھ ساتھ کافی دیر تک شاور باتھ لیتی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا پہنے۔ وارڈروب میں صرف اور صرف نائٹیز اور ڈریسنگ گاؤن اور نائٹ گاؤن پڑے ہوئے تھے۔ جن میں بیشتر مردانہ تھے۔ آخر اس نے ایک ڈریسنگ گاؤن نکالا اور اسے پہن کر باہر آئی تو وہ تینوں خادمائیں اس کا ناشتا سجائے اس کی منتظر کھڑی تھیں اسے گاؤن۔ میں ملبوس دیکھ کر تینوں نے مسکرا کر چہرے جھکائے۔ پھر ایک نے کہا۔

"دلہن سرکار۔ بڑے سرکار کی طلبی پر چھوٹے سرکار اور چھوٹی بی بی بیگم آج آٹھ بجے کی فلائٹ سے یو کے چلے گئے ہیں۔ اس لیے آج اتنے اہم اور خوشی کے دن آپ کو تنہا ہی ناشتا تناول فرمانا پڑے گا۔ جس کے لیے ہم..."

اور اس سے پہلے کہ وہ معذرت کا اظہار کرتی وہ نہایت جلدی سے بول اٹھی۔

"نہیں نہیں یہ ناشتا واپس لے جاؤ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔"

"مگر کم از کم چائے تو۔" ملازمہ نے کہنا چاہا۔

"نہیں میں چائے بالکل نہیں پیتی۔" اس نے روکھے پن سے کہا اور انہیں کمرے سے ٹالنے کی غرض سے پھر ڈریسنگ روم کا رُخ کرنے لگی تو اس کی ملازمہ نے کہا۔

"اچھا اگر ناشتے کی حاجت نہیں ہے تو کم از کم لباس تو تبدیل کر لیں۔ تھوڑی دیر تک کوئی نہ کوئی مہمان آپ سے ملنے آ جائے گا۔"

"وہ جو ڈریسنگ روم کے برابر میں روم ہے اس کی الماریوں میں ملبوسات بھی بھرے ہیں۔ اور زیورات بھی۔"

اس نے سن تو سب لیا مگر پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ سیدھی ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔

پھر ایک نئی مگر اذیت ناک زندگی کا دور شروع ہوا۔ شروع شروع میں تو وہ اس خوبصورت قید خانے کی تنہائیوں میں خود کو ایڈجسٹ کرنے میں کوشاں رہی مگر تا کجے۔

ایک ماہ کے عرصے میں ہی اسے اس گھر کے تنہا اور سنسان بلکہ ویران ماحول سے وحشت سی ہونے لگی تھی کہ آخر اس کے گھر کے فیملی ممبرز تھے ہی کتنے؟ تین افراد پر تو مشتمل تھے اس پر اوپر کے کام پر ایک لڑکا ایک ماما اور تقریباً ہر دوسرے تیسرے آنے والے رشتہ دار۔

اور یہاں کا ویران اور سنسان ماحول تو اسے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ وہ تینوں ملازمائیں تو یکدم مطیع تھیں۔ ایک اس کا ناشتا اور کھانا لاتی تھی۔ ایک اس کے ملبوسات اسے نکال کر دیتی تھی۔ اور کپڑوں پر استری وغیرہ بھی کرتی تھی۔ تیسری صفائی ستھرائی کے لیے مقرر تھی۔

سبھی ہر وقت پر آتیں اور اپنی اپنی ڈیوٹی نبھا کر خاموشی سے چلی جاتیں۔ جبکہ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا ان سے باتیں کرے۔ یا کم از کم یہی پوچھ لے کہ اس بنگلے میں اور کون کون رہتا ہے۔ یا پھر اس کے نام کوئی خط یا فون بھی آیا کبھی۔ مگر اس نے شروع ہی سے نروٹھا پن اختیار کر رکھا تھا۔ دوسرے اسے اپنی اہمیت کا احساس تھا کہ وہ اس گھر کی اکلوتی بہو تھی اس لیے ملازماؤں کو منہ لگانا اسے مناسب نہیں لگتا تھا۔ لیکن وقت کا تقاضا کچھ یہی تھا۔ یا پھر تنہائی کہ اسے ملازماؤں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا پڑا۔

اسے تو تینوں ملازماؤں میں سے کسی کا بھی نام معلوم نہیں تھا کہ کبھی مخاطب کرنے کی ضرورت [illegible]

مثلاً آج کس رنگ کا سوٹ نکالوں۔ ساڑھی زیب تن کریں گی یا شلوار۔ آپ یہ زیورات اتار دیں تو دوسرے زیورات پہنا دوں۔ ماشاءاللہ آپ پر تو ہر لباس ہی جچتا ہے۔ آپ کتنی خوبصورت ہیں دلہن سرکار۔ میں نے تو زندگی میں کبھی اتنی خوبصورت شکل نہیں دیکھی۔ اور وہ اس کی باتوں پر یا تو مسکرا دیتی یا پھر خوشامد سمجھ کر تیوری چڑھا لیتی۔

اس نے جو پلان بنایا تھا اس کے مطابق یہی ملازمہ اسے موزوں لگی۔

ایک روز وہ اس کا کام انجام دے کر جانے لگی تو اس نے کہا۔

"اے سنو۔"

"نجمی۔ کنیز کو نجمی کہتے ہیں سرکار۔"

"نجمی مجھے ایک بال پین اور ایک کاپی چاہیے۔"

"جی سرکار؟" ایکدم ہی تو وہ ہراساں سی ہو گئی۔ مگر پھر بولی۔

"یہ آپ کا حکم ہے تو کنیز اپنی جان پر کھیل کر یہ چیزیں فراہم کرے گی۔"

نجمی نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔ اور پھر قدرے اونچی آواز میں بولی۔

"اصل میں دلہن سرکار ہمیں جو ڈیوٹی انجام دینے کو کہا گیا ہے۔ بس وہی دے سکتے ہیں نہ۔ اتنا

کہہ کر نیجل تیزی سے باہر نکل گئی۔
دروازے بھی ایسے مخصوص تھے کہ زور لگانے کے باوجود بھی مکمل کر نہیں دیتے تھے۔ شاید باہر سے لاک کر دیے جاتے تھے۔
بہرحال اگلے روز نیجل ایک موٹی سی کاپی اور ایک عدد پین لے کر آئی اور بستر کی چادر بدلتے وقت اس نے تکیے کے نیچے دونوں چیزیں چھپا دیں۔ اور پھر آہستہ سے اس نے کہا۔
"اگر یہ دونوں چیزیں دیکھ لی گئیں تو میری شامت بھی آ جائے گی ــــ سرکار۔"
"نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ لو یہ تمہارا انعام ہے اسے بھی سنبھال کر رکھنا۔" اتنا کہہ کر اس نے مٹھی میں دبی ہیرے کی قیمتی انگوٹھی اسے تھما دی جبکہ وہ نہ نہ ہی کرتی رہ گئی۔
کاپی اور قلم مل جانے کے بعد اس نے بڑے دردناک انداز میں اور بڑی تفصیل سے اپنے والدین کو اپنی حالتِ زار سے آگاہ کر کے بڑے ملتجیانہ انداز میں ان سے درخواست کی کہ وہ اسے سدید کے چنگل سے آزاد کرائیں۔ اس نے انہیں یہ بھی لکھ دیا کہ سدید اسے کسی قیمت پر طلاق نہیں دے گا اور تمام عمر حبس بے جا میں رکھے گا۔ لہٰذا کورٹ کے ذریعے اس کی طرف سے خلع کا دعویٰ کیا جائے کہ بس یہی ایک راستہ ہوگا سدید کی قید سے نجات پانے کا۔
اس نے یہ خط لکھ کر اپنی ایک اور قیمتی انگوٹھی نیجل کو دے کر لفافہ منگوایا اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ خود ڈاک خانے جائے اور یہ خط اپنے ہاتھ سے رجسٹرڈ کرائے۔
اسے امید تو یہی تھی کہ اس کا خط پڑھتے ہی اس کے ابو سدید سے رابطہ قائم کر کے سیدھے اس کے پاس آ جائیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ البتہ خاصے جان لیوا انتظار کے بعد ایک روز اسے اپنے ابو کا چند سطری خط ملا جس میں لکھا تھا۔
"میں نے تمہاری حالتِ زار کے پیشِ نظر اور تمہاری خواہش کے مطابق ساری کارروائی مکمل کر لی ہے اور جلد ہم تم سے رابطہ کروں گا۔"

فقط دعاگو
تمہارا باپ

ان چند سطور نے اس کے دل کو بڑی ڈھارس بندھائی تھی۔ اس خیال سے وہ خوش اور مطمئن ہو گئی تھی کہ اس کے والد نے اس کے خط کی تردید کی تھی نہ مخالفت۔ بلکہ وہ اسے اس کی خواہش کے مطابق خلع دلوانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اب وہ مغموم اور متفکر رہنے کے بجائے مطمئن اور پُرسکون سی ہو گئی تھی اور اس قیدِ تنہائی سے رہائی اور اس شقی دل سے نجات پانے کے بارے میں سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہتی اور مستقبل کے لیے خوش آئند منصوبے بناتی رہتی تھی۔ گو ہر لمحہ زحمت کش انتظار بنا ہوا تھا مگر یہ امید تو تھی کہ والد کسی روز بھی آ جائیں گے۔
پھر کئی روز کے جان لیوا انتظار کے بعد ایک دن صبح دس بجے کے قریب اس کی والدہ اور اس کی بہن زوبیا اچانک ہی اس سے ملنے آ گئیں۔ یوں تو ملاقاتیوں حتیٰ کہ رشتہ داروں کی آمد پر بھی پابندی لگی ہوئی تھی مگر چونکہ وہ اس کی ماں اور بہن تھیں اس لیے شاید ان کے ساتھ رواداری برتی گئی تھی۔
ماں کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ پا سکی ان کے گلے سے لگ کر اتنا روئی اتنا روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔ جبکہ زوبی اسے اس طرح بلکتا دیکھ کر ہراساں سی ہو کر ادھر سے ادھر دیکھنے لگی۔
"اف وہ بجو! پلیز ان ملازماؤں کے سامنے اتنا تو نہ روئیں بڑا اوڈ سا لگ رہا ہے۔"
اس نے زوبیا کے کان کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔ تو جاذبہ سلطان نے بھی جو آبدیدہ سی ہو گئی تھیں اس کی پیٹھ تھپتھپا کر آہستہ سے کہا۔
"ہاں بیٹی! اتنا نہیں روؤ بس اب تو ہم آ گئے ہیں تم بالکل فکر نہ کرو۔" تب وہ آنسو پونچھتی ہوئی ماں سے الگ ہوئی۔ چاہتی تھی کہ زوبی کو بھی گلے

(باقی صفحہ ۳۴۷ پر)

پہ رہا ہے مگر زوبی تو گھر کے اس حصے کی خوبصورتی دیکھنے میں محو تھی۔

"تم کیسی ہو زوبی!" آخر اس نے خود ہی زوبی کی خیریت پوچھی اصل میں ملازماؤں، کزن اور رشتہ کی سامنے بہن کے گھر کو دیکھنے میں اتنی محویت اسے بالکل مناسب نہیں لگی تھی۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔" زوبی بدستور گھر کے در و دیوار پر نظریں دوڑاتی ہوئی بولی۔

"بجو! یہ قید خانہ تو بڑا خوبصورت ہے آپ کا۔ یوں لگتا ہے جیسے اسے کلاس دی گئی ہے آپ کو۔ ضرورت کی ہر چیز موجود ہے بمعہ ان دونوں میڈز کے۔" زوبی خود کلامی کے سے انداز میں گھر کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ تو اس نے انگریزی میں اس سے کہا۔

"تمہیں یہ ریالائز کرنا چاہیے کہ یہاں دو خادمائیں بھی موجود ہیں اور ان کی موجودگی میں تم کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اور کیا تم مجھ سے ملنے آئی ہو یا اس گھر کی خوبصورتی دیکھنے۔"

"ملنے بھی آئی ہوں اور اس خوبصورت قید خانے کو دیکھنے بھی۔ مگر آپ ان دونوں ملازماؤں کو باہر کیوں نہیں بھیج دیتیں۔ ان کی وجہ سے تو ہماری پرائیویسی ہرٹ ہو گی۔"

زوبی نے جواب اردو میں دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونا کا اشارہ پاتے ہی دونوں ملازمائیں فوراً باہر چلی گئیں۔

"کمال ہے تم نے تو ان نوکرانیوں کے سامنے شرمندہ ہی کر کے رکھ دیا۔ اس پر آئی تھیں میرا غم غلط کرانے اور اس گھر کو ندیدوں کی طرح یوں دیکھ رہی ہو۔ جیسے ترسی پھر رہی ہو جنم جنم سے۔ کیا تم نے پہلے کبھی خوبصورت گھر نہیں دیکھے۔"

"نہیں دیکھے تو ہیں مگر اتنے خوبصورت قید خانے نہیں ویسے باجی دو وا دے کتنے کمرے ہیں اس میں۔" زوبی نے اس کے ملامت آمیز لہجے کو یکسر اہمیت نہیں دی۔

"لگی تن رہی آپ یہ زوبی میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑک رہی ہے۔

کیا آپ اسے اسی لیے اپنے ساتھ لائی ہیں۔" اس نے جھنجلا کر ماں سے کہا۔

"ہاں واقعی زوبی میں دیکھ رہی ہوں کہ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو۔" ماں نے زوبی کو گھر کا۔

"لیکن امی میں کسی خوش وقتی میں تو نہیں آئی ہوں" بجو کا خط پڑھ کر سب سے زیادہ میں ہی پریشان ہوئی تھی نا۔ اور میں نے لندن فون کر کے کسی نے نقطہ سنائی تھیں ان کی بہن صاحبہ کو۔ اور اب جبکہ ہم خلع کا دعویٰ دائر کرنے جا رہے ہیں تو نہیں تھی کہ اس ساری سچویشن کا جائزہ لینا چاہیے آپ نے وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ پہلے ان کمروں میں گھوم پھر کر دیکھ لیں آئیں نا امی۔ اینڈ بجو آپ بھی۔" زوبی نے اس کمرے کی طرف قدم بڑھائے ۔۔۔ جہاں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ ماں خاموشی سے اس کے پیچھے آئیں تو دونا کو بھی آنا پڑا۔

"اچھا تو یہ ٹی وی روم ہے۔" زوبی بولی۔

"ہاں اور یہ سامنے والا بیڈ روم ہے۔ اور ایک کمرا وہ سامنے کونے میں ہے اور بس۔" بڑی کوفت کے عالم میں اسے بتانا پڑا۔

"اچھا اچھا پہلے بیڈ روم دیکھ لیتے ہیں بعد میں وہ کارنر والا کمرا بھی دیکھ لیں گے۔"

زوبی اس کے بتانے پر ٹی وی روم سے نکل کر بیڈ روم میں پہنچ گئی۔ پھر اس نے ڈریسنگ روم بھی دیکھا۔ جہاں وارڈ روب نائٹیز ۔۔۔ اور دوسرے کپڑے بھرے پڑے تھے۔ پھر وہ باہر سے ہوتی میک اپ روم میں آ گئی۔ جہاں پوری دیوار کے ساتھ یہاں سے وہاں تک آئینہ لگا ڈریسر تھا۔ الماریاں تھیں اور الماریاں بھی قیمتی ملبوسات سے اٹی پڑی تھیں۔ ایک الماری کھولی تو سامنے ہی ایک کٹ ورک کے فریم کا بڑا سا آئینہ نظر آیا۔ جس کے دائیں بائیں اور نچلے حصے میں زیورات کے سیٹ رکھے تھے۔ زوبی نے ایک نظر ماں کی طرف دیکھا اور پھر چھت کی طرف نگاہیں اٹھا کر بولی۔

"کاش اتنا قیمتی اور خوبصورت قید خانہ مجھے مل جاتا تو آنی سویرا امی میں تو یہاں عمر قید کاٹنے سے بھی دریغ نہ کرتی۔"

اس بات پر تنگ کر دو دنیا نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر ماں نے زوبی کو بری طرح جھڑکا۔

"یہ تم کنگلوں کی سی باتیں کیوں کر رہی ہو زوبی۔ جس جگہ انسان کو چین نہ ملے وہ جگہ اگر سونے کی بھی ہو تو کانٹوں کی طرح چبھتی ہے۔ بس بہت ہو لیا اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔"

"اُف۔ سوری امی۔ مجھے اس بات کا تو افسوس ہے کہ بجو کو اتنے دن تک اسی قید تنہائی کی اذیت برداشت کرنی پڑی۔" زوبی نے دو دنیا کی خوابگاہ سے نکلتے ہوئے کہا۔

"اب وہ سامنے والا آخری کمرا ہی رہ گیا ہے۔ کیا وہ لاکڈ ہے میرا مطلب ہے میں وہ ٹارچر سیل دیکھنا چاہتی ہوں جہاں قیدیوں کو اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں۔" اور وہ غصے میں زوبی کو کچھ برا بھلا ہی کہنا چاہ رہی تھی کہ داخلی دروازے سے داخل ہوتی تاجور نے زوبی کی بات کے جواب میں کہا۔

"ٹارچر سیل یہاں نہیں بلکہ اندر ہے زوبیا۔ آئیں میں دونوں کو دکھاؤں آئیں آپ بھی میرے ساتھ چلیں بھابی!"

تب تاجور کی اچانک آمد پر تینوں ماں بیٹیوں نے ہکا بکا سی ہو کر ایک دوسری کی شکل دیکھی پھر خشک ہوتے گلے سے بمشکل آواز نکال کر جاذبہ سلطان بولیں۔

"ارے نہیں تاجور بیٹی! یہ زوبیا کی عادت ہی کچھ اتنی بے ہودہ ہے کہ وقت دیکھتی ہے نہ موقع بس اسے ہر وقت مذاق ہی سوجھتا رہتا ہے۔"

"لیکن آنٹی! صاف گوئی معاف، یہ مذاق کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اصل میں بھابی نے آپ کو اپنی روداد لکھ کر بھیجی تھی ناں اسی کے پیش نظر زوبیا بھی اپنے دل کے خدشات کو زبان دینے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ خیر آئیے آپ لوگ میں آج آپ کو وہ جگہیں بھی دکھا دوں۔" تاجور نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"ارے نہیں بیٹی! ہم وہ جگہیں دیکھ کر کیا کریں گے۔ ہم تو خود وسوسوں کی وجہ سے ایک الجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔"

"ہاں بلکہ پزل سے ہو گئے ہیں کہ کریں تو کیا کریں۔" زوبی نے گویا لقمہ سا دیا۔

"جہاں تک کچھ کرنے کرانے کا معاملہ ہے تو اس کا فیصلہ بھی سوچ چکی ہے آپ چنداں فکر نہ کریں۔ اور اس وقت میرے ساتھ چلیں خاص طور پر بھابی صاحبہ آپ!"

تاجور انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ اور ان تینوں کو باہر چلنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ اس کے آگے آگے باہر آ گئیں۔

باہر ایک خاصا طویل آراستہ اور پیراسرار کوریڈور تھا۔ جس کے اطراف میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ اور کوریڈور کے اختتام پر انتہائی حسین طریقے سے محراب دار در آگے پیچھے بنائے گئے تھے اور لائٹس کا کچھ ایسا انتظام تھا کہ بندہ مسحور سا ہو کر رہ جائے۔

محراب دروں کے پیچھے جو بیتے خوبصورت اور قیمتی فانوس اور ہر فانوس کے نیچے جلتی ہوئی روشنیوں کے مطابق دبیز غالیچے اور روشنی اور قالینوں کے رنگ کے مطابق انتہائی قیمتی صوفے کے فرنیچر مع آرائشی اشیاء کے۔ زوبی کو تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی طلسم زار میں آ گئی ہو۔

وہ سحر زدہ سی تاجور کے پیچھے چل رہی تھی ایک جگہ رکی تو تاجور نے گردن موڑ کر کہا۔

"یہ پورا حصہ بھائی جان کی شریک حیات کے لیے بنایا گیا ہے۔ بلکہ بھائی جان نے خود اپنی نگرانی میں بنایا ہے۔ اندر جو سیٹنگ ہے اس کا حسن دیکھو گی تو لگتا ہے خیرہ ہو کر رہ جائیں گی۔ لیکن سوری موقع ہی کچھ ایسا ہے کہ میں کوئی ایک چیز بھی آپ کو نہیں دکھا سکتی۔ ماسوا ٹارچر سیل کے۔"

اس کی باتوں میں جو ہلکی ہلکی کھنک تھی اس نے جاذبہ سلطان کے ہونٹوں پر بھی مہر لگا دی تھی۔ اگر کوئی متاثر نہیں تھی وہ صرف دو دنیا ہی تھی۔ جو انتہائی

لاتعلق سے تاجور کے ساتھ چل رہی تھی۔
بہت سارے کمروں کو عبور کرکے بالآخر تاجور ایک ایسے کمرے کے آگے آ رکی جس کے آبنوسی دیو قامت دروازے پر منقش نقشے فاصلے پر بڑی بڑی نوکدار سنہری کیلیں چمک رہی تھیں۔ اور کمرے کی چاروں طرف بڑی نفیس گولڈن بیلیں بنی ہوئی تھیں۔ تاجور نے مڑ کر جاذبہ سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آیئے آنٹی میں آپ کو ٹارچر سیل دکھاؤں۔ ویسے یہ حصہ ایک مزار گزیدہ شکل ہے اور بھائی جان کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔"

اتنا کہہ کر تاجور نے دروازہ کھولا تو نیم تاریک سے ہال میں اچانک ہی روشنیوں کی چکا چوند سی ہونے لگی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس کی چھت گنبد کی طرح بنی ہوئی تھی۔ اور اس ہال میں چھت پر دیواروں پر دروازوں پر گویا ہال کے ایک ایک چپے میں دونیا کے سپرلوز کی تصویر موجود تھی۔ جن میں بعض تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بول ہی اٹھیں گی۔ اور بعض متحرک بھی تھیں۔ ہر تصویر میں دونیا اتنی حسین لگ رہی تھی کہ تینوں ماں بیٹیاں دم بخود سی دہلیز پر ٹھٹک کر انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

"آنٹی! یہ ہے ٹارچر سیل۔ میرے اکلوتے بھائی کی سچی محبت کا ثبوت۔ یا پھر میرے بھائی کو بے اخلاقی اور بے وفائی کی اذیت پہنچانے والا۔" تاجور بڑی افسردگی سے بولی۔

"میرے بھائی کا صرف اتنا قصور تھا کہ وہ جو ایک زیادتی کی بنا پر کچھ غلط سلط باتیں منہ سے نکال بیٹھے تھے۔ ان کا ازالہ کرنے کے لیے اور جذبات سے مجبور ہو کر وہ بڑے بے ڈھنگے پن سے اظہار محبت کرتے رہے۔ اور بھابی سمجھیں کہ خدا نہ کرے وہ بدکردار ہیں۔ اس پر ہماری کزنز نے بھی اپنی الٹی سیدھی باتوں سے ان کی طرف سے ان کا امپریشن خراب کر دیا۔ اصل میں آنٹی ہمارے خاندان میں یہ بھی ایک بہت بڑی خامی ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے دل برا کر لیتے ہیں۔ اور پھر دل کی بھڑاس بہت غلط طریقے سے دوسروں کے سامنے نکال کر دوسروں کے بھی امپریشن خراب کر دیتے ہیں بس کچھ یہی سلوک آپا کی بھاوج کی رسم کے موقع پر بھابی کے ساتھ ہوا تھا۔ مگر اس وقت بھی زیادتی انہی کی تھی۔ مگر بھائی جان نے اسے اپنی زیادتی پر محمول کیا۔ پھر بھی بھابی نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ ان کی بڑی انسلٹ کی اور انہیں ہر جگہ بدنام کیا۔" تاجور ایک جذب کے عالم میں کہتی چلی گئی۔

"ہاں اس پر تو..." جاذبہ سلطان نے کچھ کہنا چاہا تو تاجور ان کی بات کاٹ کر بولی۔

"آنٹی! آپ اور انکل اس وقت جس مقصد کے لیے آئے ہیں اس کا علم بھائی جان سمیت ہم سب کو ہی تھا۔ معاف کیجئے گا ہم نے وہ خط جو بھابی نے خلع کا دعویٰ کرنے کے سلسلے میں آپ کو لکھا تھا اور آپ کی طرف سے اس کا جواب ہم نے پڑھ لیا تھا۔ اس لیے ہم نے پہلے سے ہی آپ کی اور بھابی کی پریشانی کا حل تلاش کر لیا ہے۔ پلیز آپ میری بات اطمینان سے سنیں۔"

جاذبہ سلطانہ کو کچھ کہنے کے لیے بے چین دیکھ کر تاجور نے گفتگو کے دوران رک کر کہا۔

"ہاں کہو بیٹی میں تو شروع ہی سے تمہاری سن رہی ہوں۔"

"اصل میں چونکہ آپ لوگ خلع کا دعویٰ عدالت میں دائر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ہمیں یہ بات اپنے خاندانی وقار اور عزت کے منافی لگی کہ ایک نجی اور گھریلو معاملہ کو عدالت کے ذریعے نمٹایا جائے اس لیے بھائی جان نے خود یہ فیصلہ کیا ہے کہ بلا کسی تعرض کے خاموشی سے بھابی کو طلاق دے دیں گے۔"

"ارے نہیں بیٹی یہ کیا کہہ رہی ہو تم ہم غریب ضرور ہیں مگر شریف اور خاندانی ہیں یہ ہماری بھی عزت کا معاملہ ہے۔ اور ہم اس وقت خدانخواستہ معاملہ بگاڑنے یا خلع دلوانے کے خیال سے ہرگز نہیں آئے۔ بلکہ معاملے کو سلجھانے اور اسے سمجھانے

آئے ہیں۔"

"ہاں لیکن بیٹی جب آپ کی بات سمجھیں ہمیں بلائیں۔" مزدوبی جواب تخمک حیرت زدہ سی کھڑی تھی تنفر بھرے انداز میں بولی۔

"لیکن آنٹی اب بہت دیر ہو گئی! اب تو سمجھنے اور سمجھانے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ بھائی جان نے طلاق کے کاغذات مکمل کر لیے ہیں۔ اب تو آپ چاہیں بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی بھابی کی دلی خواہش یہی ہے تو۔"

مگر اس کے جواب میں جاذبہ سلطان نے پاس ہی کھڑی دونیا کو جو سلفے ہوئے اپنی اس قد آدم تصویر کو ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی جو مغربی دلہن کے روپ میں بنی ہوئی تھی بازو سے پکڑا اور زور زور سے ہلاتے ہوئے جنونی سے "عدالت" میں کہنے لگیں۔

"نہیں یہ اس کی دلی خواہش کیسے ہو سکتی ہے اسے کم نصیب لڑکی تمہارے لیے طلاق نامہ تیار کر لیا گیا ہے۔ سدید میاں تمہیں طلاق دے رہے ہیں بے حس اور بے غیرت لڑکی۔ میں ماں ہی پیدا کرنے والے کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر تمہیں طلاق ہو گئی تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی میں خود کو اس وقت شوٹ کر لوں گی۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتی۔" ماں نے جذب کے عالم میں اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

"میں۔ نہیں نہیں مرنا تو مجھے چاہیے امی۔" وہ جیسے ایکدم ہی ہوش میں آگئی۔ اور تاجور کو مخاطب کرتے بولی۔

"سدید کہاں ہیں تاجور؟ کہاں ہیں وہ پلیز تاجور جلدی بتاؤ۔ جلدی کرو۔"

تو تاجور نے ایک تلخ سی مسکان کے ساتھ اس ہال سے باہر نکلتے ہوئے دور کونے میں ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان اس کمرے میں ہیں شاید آپ کے والد بھی ان کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔"

مگر اس نے تاجور کا دوسرا فقرہ سنا ہی کہاں اس کمرے کی طرف تیزی سے دوڑ لگائی اور دستک دیے بغیر دروازے سے پہلے رکی اور آہستہ سے دروازہ کھول کر بلا توقف اور تامل اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک آراستہ اور پیراستہ بڑی شاندار خوابگاہ تھی۔ جو نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"سدید۔ سدید آپ کہاں ہیں سدید" اور سدید جو ایک صوفے پر نیم دراز آنکھوں کے سامنے ہاتھ رکھے جانے کیا سوچ رہا تھا۔

اس کی فریاد پر اچانک اٹھا۔ اور پھر وہ بری طرح چونکا اور کھڑا ہو گیا۔ نیم تاریک ماحول میں وہ اسے کھڑا ہوتے دیکھ سکتی تھی۔ سدید سدید کہتی وہ سیدھی اس کی طرف بڑھی چلی آئی۔ سدید نے کچھ کہنے کے بجائے ٹیبل پر رکھے طلاق کے کاغذات اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیے مگر اس نے ان کاغذات کو اس کے ہاتھ سے لے کر دور جھٹکتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں سدید! مجھے طلاق نہیں آپ کا ساتھ چاہیے۔ آپ کا ساتھ۔"

وہ گھمبیر سی آواز میں اتنا کہتے کہتے سدید کے سینے سے جا لگی۔

"میں بہت بری ہوں سدید۔ آپ کو اذیت پہنچانے والی۔ آپ کے سچے پیار کی ناقدری کرنے والی۔ مگر سدید میں نے ہزار نفرت کے باوجود آپ کو چاہا ہے۔ میں یہ سب اس وقت کی برہمی کے زیر اثر کہتی رہی لیکن حقیقی بات یہی ہے کہ میں نے سوائے آپ کے کسی اور مرد کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ اب میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں سدید۔"

مگر سدید نے اس پر جھک کر اسے مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ کہ اس کا اعتراف ہی ساری زندگی کے لیے کافی تھا۔